علمی و تحقیقی مجلّہ

جلد ۲۱، شمارہ ۸۴، سال ۲۰۲۱ء
(جولائی تا ستمبر)

ISSN: 2079-4568

اہم گزارشات

⇦ ایران اور پاکستان صدیوں سے دوستی اور اخوت کے بے شمار رشتوں میں منسلک ہیں۔
پیغام آشنا کے اجراء کا مقصد ان دونوں ملکوں کے درمیان اس خطے کی مشترکہ علمی، ادبی، تاریخی اور ثقافتی میراث کو محفوظ اور مستحکم بنانا ہے۔

⇦ پیغام آشنا ایچ۔ای۔سی سے منظور شدہ تحقیقی مجلہ ہے جس میں فارسی اور اردو زبان و ادب کے حوالے سے غیر مطبوعہ مقالات ''ایچ ای سی'' کے طے کردہ ضوابط کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔

⇦ مقالے کا ''ایچ ای سی'' کے مجوزہ روش تحقیق اے، پی اے (APA) پر مشتمل ہونا لازمی ہے۔

⇦ تمام مقالات مجلس مشاورت کی منظوری کے بعد شائع کیے جاتے ہیں۔

⇦ اشاعت کے لیے قبول کیے جانے والے مقالات میں ادارہ ضروری ادارتی ترمیم، تنسیخ اور تلخیص کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

⇦ مقالہ ارسال کرتے ہوئے درج ذیل اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے جو کہ آج کے ترقی یافتہ علمی دنیا میں بالعموم رائج ہیں۔ مقالہ اے فور جسامت کے کاغذ پر ایک ہی جانب کمپوز کروا کر بھیجا جائے۔ مقالے کے ساتھ اردو اور انگریزی زبان میں خلاصہ (Abstract) (تقریباً ۱۰۰ الفاظ) کلیدی الفاظ اور عنوان ضرور شامل کیا جائے۔ مقالے کی سی ڈی بھی ساتھ ضرور ارسال فرمائیں۔ یعنی مقالہ کی ''ہارڈ'' اور ''سوفٹ'' کاپی دونوں ارسال کی جائیں۔

⇦ مقالہ کے عنوان کا انگریزی ترجمہ، مقالہ نگار کے نام کے انگریزی ہجے اور موجودہ عہدہ، نیز مکمل پتہ، برقی پتہ اور فون نمبر درج کیا جائے۔

ہائیر ایجوکیشن کمیشن پاکستان سے منظور شدہ

جلد۔۲۱،شمارہ۔۸۴، سال ۲۰۲۱ء

(جولائی تا ستمبر)

مدیر اعلیٰ

احسان خزاعی

مدیر (اعزازی)

ڈاکٹر علی کمیل قزلباش

ثقافتی قونصلیٹ

سفارت اسلامی جمہوریہ ایران۔اسلام آباد

مکان نمبر ۲۵،گلی نمبر ۲۷، ایف ۲/۶، اسلام آباد۔ ف

فون نمبر :۸۔۷ ۲۸۲۷۹۳ ۰۵۱ فیکس ۲۸۲۷۱۷۷۴ ۰۵۱

برقی پتہ: iran.council@gmail.com,payghameashna@gmail.com

ویب سائٹ: http://islamabad.icro.ir/

Facebook address: https://www.facebook.com/raiezani/

ISSN:2079-4568

مجلس ادارت

مجلس مشاورت

فہرست

اداریہ

فارسی صرف ایک زبان نہیں بلکہ اپنے آغوش میں ایک تہذیب، تاریخ اور علمی حتی اسلامی سرمایہ لئے ہوئے ایک ایسا تشخص ہے جس کے بغیر نا صرف آج بلکہ آئندہ بھی ہمیں اپنی شناخت نامکمل اور ادھوری ملے گی۔ اس بات سے کس کو انکار ہے کہ برصغیر سے اس زبان کو دانستہ طور پر نکالا گیا تا کہ ہم ایک گونگی، اور بے چہرہ ملت بن کر رہیں اور اغیار تب اپنی مرضی سے جو زبان چاہیں ہمارے منہ میں دیں اور جو بھی خول ہمارے چہرے پر چاہیں چڑھائیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی علوم کی عربی کے بعد سب سے زیادہ کتب فارسی میں ہیں، برصغیر کی تاریخ پر مشتمل کتب میں سے نوے فیصد فارسی میں ہیں۔ جبکہ ہمارا ادب اور ثقافتی اثاثہ تو ہے ہی فارسی کا مرہون منت۔ حضرت امیر خسرو سے ولی دکنی، میر، غالب، اقبال اور فیض و فراز تک کی شاعری کی بنیادیں فارسی پر قائم ہیں۔

دوسری جانب ہمارے صوفیا کی تعلیمات اور تخلیقات و تالیفات یا تو فارسی میں ہیں یا پھر فارسی کے زیر اثر ہیں تصوف کی سب سے عظیم کتاب حضرت داتا گنج بخش نے کشف المحجوب کے نام سے فارسی میں لکھی ہے۔ شاہ لطیف، میاں محمد بخش، بابا بھلے شاہ، رحمن بابا اور دیگر صوفی شعرا کا کلام یا تو براہ راست فارسی میں ہے یا پھر مولانا جلال الدین رومی، حافظ شیرازی، عمر خیام اور شیخ سعدی کے زیر اثر ہے۔

اردو زبان و ادب پر تو اس قدر اثرات ہیں کہ فارسی سے آشنائی کے بغیر اردو شاعری کی تفہیم ہی ناممکن ہے۔ لہذا کم از کم اردو کے ہر طالب علم کے لئے فارسی کی بنیادی شناخت ناگزیر ہے۔

علامہ اقبال کو ہم اپنا قومی شاعر مانتے ہیں اور ان کے ساٹھ فیصد فارسی کلام سے بے بہرہ ہیں۔ تو کیسے ممکن ہے کہ ہم اقبال کو اپنا قومی شاعر کہیں۔ علامہ اقبال نے دانستہ طور پر اردو کے ساتھ فارسی زبان کو ذریعہ اظہار اس لئے بنایا کہ ان کو معلوم تھا کہ فارسی وہ زبان ہے جس میں ملت اسلامیہ تک زیادہ بہتر پیغام پہنچایا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی بے جا

نہیں ہوگا کہ ان کا اہم ترین کلام فارسی میں ہے ۔وہ چاہے جاوید نامہ ہو یا اسرار خودی و رموز بے خودی۔
اقبال نے فرمایا تھا کہ

گرچه اردو در عذوبت شکر است
طرز گفتار دری شیرین تر است

(اگرچہ اردو بذات خود میٹھی ہے لیکن فارسی زبان کی مٹھاس اس سے بہت زیادہ ہے)
یا یہ کہ

فارسی از رفعت اندیشه ام
در خورد با فطرت اندیشه ام

(فارسی سے میری فکر کی بلندی ہے اور یہ میرے فطرت کے قریب ہے)

لہذا یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فارسی سیکھے بغیر نا تو ہم اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کے ادب کو سمجھ سکتے ہیں اور نا ہی علامہ اقبال کی تعلیمات کا ادراک کر سکتے ہیں ۔خصوصا نئی نسل کو اگر اقبال کی فکر سے واقف کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں فارسی کو سمجھنا ہوگا ۔ورنہ ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں کیونکہ اب تو اردو کا بھی جو حشر کیا جارہا ہے وہ ایک المیے سے کم نہیں ہے ۔اور بلا مبالغہ اردو کی بقا فارسی کی بقا میں مضمر ہے ۔آئیے اپنی فارسی اور اردو کی حفاظت کر کے اپنی حفاظت کریں۔

پاک ایران دوستی پائندہ باد
احسان خزاعی

چند اقسام صنعت تجنیس در مثنوی مولوی، (دفتر اوّل)

*شازیہ سلطانہ ہاشمی **ڈاکٹر مسرّت واجد

Figure of Speech Pun:usage in Maheulana's Mathnavi(Chapter 1st)

Dr. Musrrat Wajid/ Shazia Sultana Hashmi

Poets and Writers ornate their prose and poetry with various figures of speech like Talmeeh,Tazad,Meraat un Nazeer,Laf wa nasher,Husn e Taaleel and Saja and it is called as Figure of speech and one such is named as Tajnees or Jinas.Tajnees has many forms.In this article Tajnees has been studied in Mathnavi of Maulana and examples have been qouted from Mathnavi,which carry a large numbers of couplets depicting this figure of speech.

خلاصہ:

منظوم و منثور تحریریں لکھتے ہوئے مصنفین اور ادباء، تین طرح کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔علم بیان، معانی اور بدیع۔علم بدیع کی دو اقسام ہیں: بدیع لفظی اور بدیع معنوی۔بدیع لفظی میں سے ایک صنعت تجنیس/صنعت جناس بھی ہے۔اور اس سے مراد کلام میں ایسے دو رکن جناس لانا، جو کبھی نقطوں، اعراب، کلمات میں کمی یا زیادتی سے دوسرے الفاظ یا کلمات بنتے

* پی ایچ۔ڈی فارسی سکالر، شعبہ فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

** اسٹنٹ پروفیسر شعبہ فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

ہیں جو معنی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔تجنیس کی کئی اقسام ہیں۔اور یہ قسم مثنوی مولوی میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔مثنوی کے چھ دفتر ہیں۔اس مضمون میں مثنوی کے دفتر اوّل سے تجنیس کی چند اقسام کی شعری مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: علم بدیع،صنعت تجنیس،مثنوی مولوی،دفتر اوّل،اقسام صنعت تجنیس۔

قاری جب بھی کوئی نثری تحریر یا منظوم کلام دیکھتا ہے تو،اسے دو طریقوں سے پرکھتا ہے۔پہلی چیز،بیان اور دوسری چیز انداز بیان۔یعنی کیا بات کی ہے اور کس انداز سے کی ہے۔اس کے لیے شعراء اور ادباء،علم بیان،علم معانی اور علم بدیع سے استفادہ کرتے ہیں۔ان تینوں علوم،یا ان میں سے کسی کا برمحل و بہترین استعمال قاری کو،داد دینے پر مجبور کرتا ہے۔علم بدیع جسے صنعت بدیع بھی کہا جاتا ہے ؛کی دو اقسام ہیں۔ا۔صنعت بدیع لفظی۔۲۔صنعت بدیع معنوی۔

صنعت بدیع لفظی:

صنت بدیع معنوی:

صنعت بدیع لفظی کی اقسام میں سے ایک ،صنعت تجنیس/صنعت جناس بھی ہے۔مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ء۔۱۲۷۳ء)؛ فارسی ادب میں،مولا نا،مولوی اور رومی کے نام سے جانے جاتے ہیں ؛ان کی ۲۶۶۶۱اشعار پر مشتمل،شہرہ آفاق مثنوی ،میں فکر و فن کی ایک دنیا آباد ہے۔اس فن کی دنیا میں سے ایک تجنیس بھی ہے۔جسے دیکھ اور پڑھ کر کوئی بھی قاری،تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اور پوری مثنوی میں،تقریباً ہر دوسرے شعر میں یہ صنعت ملتی ہے۔اس وقت زیر تحریر تحقیقی مضمون میں،مثنوی کے چھ دفتروں میں سے صرف دفتر اوّل میں سے صنعت تجنیس کی چند اقسام کو پیش کیا جا رہا ہے۔لیکن اس مضمون میں،تمام اقسام کو الفبائی انداز میں لایا گیا ہے اور اشعار کی مثالوں کے لئے مثنوی مولوی معنوی مترجم قاضی سجاد حسین،سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تجنیس کے لغوی معنی: ہم جنس کرنا یا ہونا ہے۔یکساں کرنا یا ہونا۔(حسن اللغات،اورینٹل بک سوسائیٹی

،لاہور،ص ۱۸۸:)

تجنیس کے اصطلاحی معنی: اصطلاح میں اس سے مراد،میں دو لفظوں کا تلفظ میں متحد اور معنی میں مختلف ہونا ہے۔ان دونوں حروف کو دو رکن جناس کہا جاتا ہے۔(ہمایی،فنون بلاغت وصناعات ادبی،ص ۲۸:۔۲۹)

اقسام تجنیس: تجنیس کی کئی قسمیں ہیں(دیکھئے : تفہیمی،ساجد اللہ،فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی،اسلام آباد،۱۹۹۶ء،صص ۱۰۳:۔۱۰۶)ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا۔تجنیس اشتقاق/اقتضاب: تجنیس کی اس قسم سے مراد،ارکان تجنیس کا،اس طرح لانا یا ہونا کہ دونوں ایک ہی مادہ سے مشتق قرار پائے ہوں۔(شرف الدین،حقایق الحدایق،ص ۱۴:)مثلاً:

راستی کُن ای تو فخر راستان ای تو صدر و من درت را آستان (ص۱۹۹:)

قصۂ رنجور و رنجوری بخواند بعد از آن در پیش رنجورش نشاند (ص ۴۲:)

درج بالا میں رنجور یعنی مریض ،رنجوری یعنی بیماری،دونوں ایک ہی مادہ سے مشتق ہیں۔

جُست او را تاش چون بنده بود لاجرم جوینده ،یابنده بود (ص۱۶۶:)

عقل در شرحش چو خر در گل بخفت شرح عشق و عاشقی هم عشق گفت (ص ۴۳:)

دلبران بر بیدلان فتنه بجان جمله معشوقان،شکار عاشقان (ص ۱۹۶:)

گر ز جبرش آگهی زاریت کُو؟ جنبشِ زنجیر جبّاریت کُو؟ (ص ۹۳:)

گفت را ،گر فائده نبَود مگو! ور بوَد هلِ اعتراض و شکر گو (ص ۱۷۷:)

همچو خار سبز کاشتر می خورد زان خورش صد نفع و لذت می برد (ص ۴۰۴:)

منگرر اندر ما مکن درما نظر اندر اکرام و سخای خو د نگر (ص ۹۱:)

۲۔تجنیس تام: اس سے مراد یہ کہ کلام میں ایسے دو الفاظ ہونا یالانا جو حروف ،حرکات، سکون اور ترتیب میں بالکل ایک جیسے ہوں،لیکن نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوں اور معنی کے لحاظ سے بالکل مختلف ہوں،تو تجنیس تام کہلاتے ہیں ۔(شرف الدین حسن بن محمد رامی تبریزی ،حقایق الحدایق ،۱۳۴۱ھ۔ش،ص ۵)اس کی دو قسمیں ہیں : متماثل، مستوفی۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔تجنیس تام متماثل رمماثل :یہ تجنیس تام کی ایک قسم ہے جس میں ارکان تجنیس کی نوعیت بھی ایک ہی ہو۔یعنی دونوں اسم یادونوں فعل ہوں ۔(معظمہ اقبالی،صنایع لفظی ومعنوی،کتاب اوّل،ص ۱۶۳:)

کار پاکان ر قیاس از خود مگیر گرچه باشد در نوشتن شیر شیر (ص۵۸ :)

شیر آن باشد که مرد اورا خورد شیر آن باشد که مردم را درد (ص۵۸ :)

درج بالا اشعار میں شیر،شیر دو رکن جناس ہیں ۔لکھنے اور بولنے میں بالکل ایک سے ہیں دونوں اسم ہیں لیکن معنی کے لحاظ سے،ببر شیر اور دودھ کے معنی رکھتے ہیں ۔جوکہ تجنیس تام مماثل کی مثال ہیں۔

بس کن! ای دون همت ،کوته بنان تا کیت باشد حیاتِ جان بنان (ص۳۹۲ :)

باز عقلی کُو رَمَد از عقلِ عقل گردد از عقلی بحیوانات نقل (ص۳۹۲ :)

نے حریف هر که از یاری بود پردهایش، پردهای ما درید (ص۳۲ :)

اس شعر میں رکن اوّل پردہ یعنی راگ،اور رکن دوّم پردہ یعنی کان کاپردہ،جو لکھنے میں ایک جیسے اور دونوں اسم ہیں جوکہ تجنیس متماثل کی مثال ہے۔

درمیانِ گریه خوابش در ربود دید در خواب او که پیری رو نمود (ص۳۸ :)

اس شعر میں رکن اوّل خواب بہ معنی نیند،جبکہ رکن دوّم خواب بہ معنی خواب کے ہیں۔جبکہ لکھنے اور پڑھنے

کے لحاظ سے بالکل ایک سے ہیں۔اور دونوں اسم ہیں۔

ترک خواب و غفلتِ خرگوش کُن! غرّهٔ این شیر ای خرگوش کُن! (ص ۱۴۲:)

مثنوی کے اس شعر میں، رکن اوّل: خرگوش اور دوسرا رکن، جو بظاہر خرگوش ہی لگتا ہے۔ دراصل، خر یعنی گدھا اور گوش یعنی کان ہے۔ یہ دونوں ارکان اسم ہیں جو تام مستوفی کی مثال ہے۔

ب۔تجنیس تام مستوفی: دونوں متجانس الفاظ کا، نوعیت کی وجہ سے مختلف ہونے کو، تجنیس تام مستوفی کہا جاتا ہے۔یعنی اس میں سے ایک رکن اسم ہو تو دوسرا فعل یا ایک حرف ہو تو دوسرا حرف وغیرہ۔

(معظمہ اقبالی، صنایع لفظی و معنوی، کتاب اوّل، ص ۱۶۵:)

مثنوی مولوی میں، تجنیس کی، اس قسم کی مثالوں کے نمونے درج ذیل ہیں:

اهل نار و نور باهم درمیان درمیانِ شان بحرژرف بیکران (ص ۲۷۳:)

رکن اوّل: درمیان بہ معنی متحد ہونا یعنی فعل ہے، رکن دوّم: درمیان حرف قید ہے بہ معنی درمیان۔

گوش خر بفروش و دیگر گوش خر کین سخن را درنیابد گوش خر (ص ۳۸۰:)

درج بالا شعر میں پہلا 'خرؔ' گدھا یعنی اسم ہے اور دوسرا 'خرؔ' تو خرید یعنی فعل ہے۔یعنی تام مستوفی کی مثال ہے۔

آنکه ملکش برتر از نوبت تنند برتر از هفت انجمنش نوبت زنند (ص ۱۶۳:)

درج بالا شعر میں رکن اوّل نوبت کا مطلب ہے باری ملنا، اور رکن دوّم نوبت، ایک ڈھول جیسا بجانے والا آلہ ہے۔یعنی اسم ہے۔اس طرح ایک رکن فعل ہے اور دوسرا اسم جو کہ تجنیس تام مماثل کہلاتا ہے۔

نفس خرگوشت بصحرا در چرا تو بقعرِ این چَه چون و چرا (ص ۱۶۱:)

رکن اوّل بہ معنی چرنا استعمال ہوا ہے۔جب کہ رکن دوّم چرا حرف استفہام ہے۔گویا دونوں مختلف نوعیت رکھتے ہیَ

وعدۂ اهل کرم گنج رَوان وعدۂ نا اهل شد رنج رَوان (ص۴۹ :)

رَوانِ مصرع اوّل، رفتن مصدر سے مشتق ہے یعنی فعل ہے۔ اور رَوانِ دوّم بہ معنی روح آیا ہے۔ جو کہ اسم ہے۔ جو کہ تجنیس تام مستوفی کی مثال ہے۔

زر اگرچه عقل می آرد ولیک مرد عاقل باید اُو را نیک نیک (ص ۹۳ :)

آتش ست این بانگ نای و نیست باد هر که این آتش ندار د نیست باد! (ص ۳۲ :)

درج بالا اشعار میں نیک، نیک بہ معنی بہت، نیک کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح باد، باد ؛ میں پہلا ُبادٗ ہوا کے لیے اور دوسرا ُبادٗ حرف دعا ہے۔

۳۔تجنیس ترصیع: جسے تجنیس مع الترصیع یا ترصیع مع التجنیس بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد کلام میں متجانس اور ہم وزن و ہم قافیہ الفاظ کو ایک دوسرے کے مقابل لانا: (تفہیمی، فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی، ۱۹۹۶ء، ص۱۰۶:)

آن یکی را روی او شد سوی دوست وین یکی را روی او خود روی اوست (ص ۶۲ :)

جمله شاهان پست پستِ خویش را جمله مستان مست مستِ خویش را (ص ۱۹۶ :)

در مقامی فقر و در جایی غنا در مقامی قهر و در جایی رضا (ص ۲۷۶ :)

دلبران بر بیدلان فتنه بجان جمله معشوقان شکار عاشقان (ص ۱۹۶ :)

از منازل های جانش یاد داد وز سفر های روانش یاد داد (ص ۱۶۹ :)

دانه باشی مرغگانت بر چنند غُنچه باشی کودکانت بر کَنند (ص ۲۰۳ :)

دانه پنهان کُن بکُلی دام شو غنچه پنهان کُن گیاه بام شو (ص ۲۰۳ :)

اندر آئید ای همی مست و خراب اندر آئید ای همه عین عتاب (ص ۱۰۹ :)

رحم خواهی رحم کن بر اشکبار رحم خواهی بر ضعیفان رحم آر! (ص ۱۱۱ :)

انبیا در کار دنیا جبری اند کافران در کار عقبیٰ جبری اند (ص۹۳:)

انبیا را کار عقبیٰ اِختیار کافران را کار دنیا اِختیار (ایضاً)

۴۔تجنیس خطی؍تجنیس مصحف؍تصحیف: تجنیس کی اس قسم میں، دونوں ارکان تجنیس شکل وصورت بالکل ایک جیسے لکھے جاتے ہیں لیکن صرف نقطوں کی وجہ سے مختلف پڑھے جاتے ہیں اور مختلف المعنی بھی بن جاتے ہیں۔مثلاً: محبت۔محنت،رحمت۔زحمت، وغیرہ۔(معظمہ اقبالی،صنایع لفظی و معنوی،کتاب اوّل،ص۱۶۵:)مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

من نیم سگ شیر حقّم حق پرست شیر حق آنست کز صورت برست (ص۴۰۱ :)

درج بالا شعر میں پرست،برست،شکل وصورت میں بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں صرف نقطوں کے فرق سے لفظ اور معنی بدل جاتا ہے۔

تا زمین و آسمان خندان شود عقل و روح و دیده صد چندان شود (ص۴۴ :)

این چنین شه را ز لشکر زحمت ست لیک همره شد جماعت رحمت ست (ص۳۱۶ :)

تاکه ما از حال آن گرگان پیش همچو رُوبه پاس خودداریم بیش (ص۳۲۵ :)

کی ستاره حاجتستی ای ذلیل کی بدے بر نور خورشید آن دلیل (ص۳۷۳ :)

از سر اکرام و از بهر خدا بیش ازین از خود مکن جدا (ص۸۶ :)

گر ترشح بیشتر گردد ز غیب نی هنر ماند درین عالم نه عیب (ص۲۲۷ :)

درج بالا مثالوں میں،چندان۔خندان،زحمت۔رحمت،پیش۔بیش،ذلیل۔دلیل،خدا۔جدا، دورکن جناس ہیں جن میں صرف نقطوں کے فرق سے،لفظ اور معنی بدل گئے ہیں۔

۵۔ تجنیس زائد : یہ تجنیس کی وہ قسم ہے جس میں ارکان تجنیس میں ،ایک یا دو حرف ،کبھی شروع ،کبھی درمیان میں اور کبھی آخر پر زائد ہو۔(نثاری، چہار گلزار، ۱۲۸۸ ،ص ۳۵) و(کامیار، وحیدیان، تقی، دکتر، بدیع از دیدگاہ زیبایی شناسی، چاپ سوّم، ۱۳۸۷ء، ص ۲۴ :)

آن یکی لب تشنه وان دیگر چو آب آن یکی مخمور وان دیگر شراب (ص ۳۹ :)

آب، شراب دو رکن جناس زائد ہیں۔

تا شود شیر خدا از عون او وا رهد از نفس و از فرعون او (ص ۱۶۵ :)

درج بالا شعر تجنیس زائد، بہ آغاز کی مثال ہے۔

شیر را،چون دید در چهٔ گشته زار چرخ میزد شادمان تا مرغزار (ص ۱۶۰ :)

گفتم ار عریان شود او در عیان نی تو مانی ،نی کنارت،نی میان (ص ۴۵ :)

درج بالا مثال میں، جلی کلمات، عریان اور عیان دو رکن جناس ہیں اور، رکن اوّل میں ایک حرف زیادہ ہے۔ جو کہ تجنیس زائد بہ درمیان کی مثال ہے۔

مستهان و خوار گشتند از فتن از وزیر شوم رای شوم فن (ص ۱۰۲ :)

شعله را ز انبوهی هیزم چه غم کی رمد قصاب ز انبوهی غنم (ص ۳۴۴ :)

تا هم ایشان از خسیسی خاستند گندنا و ترّه و خَس خواستند (ص ۳۸۰ :)

حاجبان این صوفیانند ای پسر سادهٔ و آزاده و افگنده سر (ص ۳۲۸ :)

بر بلیس و دیو زان خندیدهٔ که تو خود را نیک مردم دیدهٔ (ص ۳۴۱ :)

فرع دید آمد عمل بی هیچ شک پس نباشد مردم الا مردمک (ص ۱۹۰ :)

در بالا مثال میں، مصرع دوّم میں لفظ خس ایک رکن جناس ہے جس کے معنی سبزی کا ہو، کے ہیں۔ جبکہ مصرع اولی میں اس خس کے آخر پر 'یسی' کا اضافہ کر کے 'خسیسی'، یعنی کمینہ بنا دیا ہے۔ جو کہ تجنیس زائد بہ آخر کی مثال ہے ، جسے مذیّل بھی کہتے ہیں۔

سینه خواهم شرحه شرحه از فراق تا بگویم شرح درد اشتیاق (ص ۳۲:)

۶۔تجنیس زاید، مذیّل: حروف متجانس میں سے ایک میں ، دو حروف زیادہ ہوں۔ (عابد، البدیع، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۴:) مثنوی سے مثالیں دیکھئے:

چونکه گل رفت و گلستان در گذشت نشوی زین پس ز بلبل سرگذشت (ص ۳۴:)

چونکه گل رفت و گلستان شد خراب بوی گل را از که جویم از گلاب (ص ۳۴:)

۷۔ **تجنیس قلب**: اس سے مراد کلام یا نثر میں ایسے دو رکن تجنیس یا جناس لانا، جن میں سے ایک کے حروف کی ترتیب بدلیں تو دوسرا، رکن بنتا ہے۔ یہ تبدیلی تین طرح ہوتی ہے : ؟؟؟؟ تجنیس بعض اور کل کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ **تجنیس قلب مستوی**: تجنیس قلب کی ایسی قسم ہے جس میں ارکان کے حروف کی تبدیلی ترتیب میں نہ ہو۔ اسے قلب مشوش اور قلب نامرتب بھی کہتے ہیں (تفہیمی، فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی، ص ۳۲۸:)۔ مثلاً:

گردشِ این قالب همچون سِپر هست از روحِ مسترِ ای پِسَر (ص ۳۴۵:)

اس شعر میں دو رکن جناس کے حروف اور اعراب ایک جیسے ہیں۔ یعنی ان کے حروف، ادھر ادھر کرنے سے لفظ ادل بدل ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ تبدیلی ترتیب سے نہیں ہوتی۔

دام آدم خوشۀ گندم شده تا وجودش خوشۀ مردم شده (ص ۲۹۴:)

بند پنهان لیک از آهن بَتر بند آهن را کُند پاره تَبر (ص ۳۳۷:)

ب ۔**تجنیس قلب بعض** : تجنیس قلب کی ایسی قسم ہے جس میں ارکان کی ترتیب بدل جائے لیکن معنی میں فرق نہ پڑے ۔مثلاً:

ج ۔**تجنیس قلب کل** : تجنیس قلب کی ایسی قسم ہے جس میں ارکان تجنیس کی ترتیب بالکل الٹ جاتی ہے ۔برق، قرب۔

چشم اعمش نور خور را برنتافت اختر او ر ا شمع شد تاره بیافت (ص۳۷۲:)

۸ ۔**تجنیس لفظ/لفظی**: یہ تجنیس مرکب کی ہی قسم ہے لیکن اس میں ارکان تجنیس بولنے میں ایک سے لگتے ہیں لیکن لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں ۔(ہمایی،فنون بلاغت وصناعات ادبی،جلد اوّل،ص۵۷:) مثلاً:

خاک غم را سرمه سازم بهر چشم تا ز گوهر پُر شود دو بحر چشم (ص۱۹۹:)

تا هم ایشان از خسیسی خاستند گندنا و ترّه و خَس خواستند (ص۳۸۰:)

درج بالاشعر میں ،خاستند اورخواستند ،بولنے اور ادائیگی میں ایک جیسے ہیں ،لیکن لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہیں ۔پہلے رکن کا مطلب ،کھڑے ہونا اور دوسرے کا مطلب چاہنا ہے۔

دامن او گیر! کو دادت عصا در نگر کادم چها دید از عصیٰ (ص۲۳۳:)

اس شعر میں عصا اور عصیٰ بولنے میں ایک جیسے جب کہ لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہیں ۔اس میں رکن اوّل ُعصا ُ کا مطلب ُلاٹھی ُاور رکن دوّم ُعصیٰ ُ کا مطلب گناہ ہے۔

۹۔ **تجنیس مرفوء**: دو رکن جناس میں سے کوئی ایک رکن کسی دوسرے لفظ کے جز سے مرکب ہو کر پہلے لفظ کا ہم جنس بن جائے تو ،اسے تجنیس مرفوء کہتے ہیں ۔(ترجمہ سہل حدایق البلاغت ،ص۱۰۸:) مثنوی سے مثال دیکھئے:

راستی کُن ای تو فخر راستان ای تو صدر و من درت را آستان (ص۱۹۹:)

بی تو مارا، بر فلک تاریکی ست باتو ای مه این زمین تاری کی (ص۸۹:)

با مه ر وی تو شب تاری کی ست روز را ، بی نور تو تاریکی ست (ص۸۹:)

بس شدم من در مصاف و کارزار همچو شیر آندم که باشد کار زار (ص۱۶۷:)

درج بالا اشعار میں، پہلا رکن کا مطلب ہے 'جنگ' ہے جبکہ دوسرا رکن، کار، زار سے مل کر بنا ہے جس کے معنی بالکل مختلف ہیں یعنی 'سخت کام' گویا دیکھنے میں ایک سے ہیں لیکن حقیقت میں دو مختلف لفظ ہیں جو کہ تجنیس مرفوء کی مثال ہیں۔

زن درآمد از طریق نیستی گفت من خاک شما ام نی ستی (ص۲۵۸:)

اس مثال میں نیستی اور نی ستی بظاہر ایک جیسے لفظ ہیں جبکہ، نیسی کا مطلب خاکساری اور نی ستی کا مطلب، بیوی نہیں ، ہے۔

راستی کُن ای تو فخر راستان ای تو صدر و من درت را آستان (ص۱۹۹:)

ترک خواب و غفلتِ خرگوش کُن! غرّهٔ این شیر ای خرگوش کُن ! (ص۱۴۲:)

درج بالا مثال میں رکن اول خرگوش اسم ہے یعنی مفرد ہے جبکہ دوسرا خرگوش دراصل خر،گوش ہے۔

۱۰۔تجنیس مرّکب : دو متجانس الفاظ میں ایک مفرد اور دوسرا مرکب ہو تو تجنیس مرکب کہلاتا ہے۔(روحی ،اصغر علی، دبیر عجم، ص۳۰۵:)اس کی دو اقسام ہیں: مرکب مفروق، مرکب مقرون رمتشابہ۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔تجنیس مرکب مفروق: یہ تجنیس مرکب کی ہی قسم ہے لیکن اس میں ارکان تجنیس بولنے میں ایک سے لگتے ہیں لیکن لکھنے اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔(معظمہ اقبالی،شعر و شاعران در ایران اسلامی،کتاب اوّل،،ص۱۶۴:)مثنوی میں سے چند مثالیں دیکھئے:

بی تو مارا، بر فلک تاریکی ست باتو ای مه این زمین تاری کی (ص۸۹:)

با مه ر وی تو شب تاری کی ست روز را ، بی نور تو تاریکی ست (ایضاً)

بس شدم من در مصاف و کارزار همچو شیر آندم که باشد کار زار (ص۱۶۷:)

درج بالا اشعار میں، پہلا رکن کا مطلب ہے 'جنگ' ہے جبکہ دوسرا رکن، کار، زار سے مل کر بنا ہے جس کے معنی بالکل مختلف ہیں یعنی 'سخت کام'۔گویا دیکھنے میں ایک سے ہیں لیکن حقیقت میں دو مختلف لفظ ہیں جو کہ تجنیس مرفوء کی مثال ہیں۔

زن درآمد از طریق نیستی   گفت من خاک شما ام نی ستی (ص ۲۵۸ :)

اس مثال میں نیستی اور نی ستی بظاہر ایک جیسے لفظ ہیں جبکہ، نیسی کا مطلب خاکساری اور نی ستی کا مطلب ،بیوی نہیں، ہے۔

راستی کُن ای تو فخر راستان   ای تو صدر و من درت را آستان (ص ۱۹۹ :)

ب۔تجنیس مرکب مقرون رمتشابہ :اگرارکان تجنیس میں سے ایک رکن مفرد ہو،اور دوسرا مرکب ہو تو تجنیس کی ایسی قسم کو تجنیس مرّکب متشابہ کہتے ہیں۔مثلاً: دونان۔دونان،ان میں سے ایک کا مطلب گھٹیا اور دوسرے کا مطلب دو روٹیاں ہیں۔مثنوی سے مثال ملاحظہ فرمائیے۔

یاد آرید ای مهان زین مرغ زار   یک صبوحی درمیانِ مرغزار (ص ۱۸۰ :)

درج بالا شعر میں،ارکان تجنیس میں سے،رکن اوّل،مرغ اور زار سے مرکب ہے جبکہ رکن دوّم،مرغزارمفرد ہے۔

هر که درمان کرد مرجانِ مرا   برد گنج ِ دُرّ و مرجان ِ مرا (ص ۳۶ :)

اس مثال میں مرجان اوّل : مر،جان کا مرکب ہے جبکہ مرجانِ دوّم مفرد است۔یعنی اس سے مونگے وغیرہ مراد ہے۔

ترک خواب و غفلتِ خرگوش کُن!   غرّۀ این شیر ای خرگوش کُن! (ص ۱۴۲ :)

درج بالا مثال میں رکن اول خرگوش اسم ہے یعنی مفرد ہے جبکہ دوسرا خرگوش دراصل خر،گوش سے مرکب ہے۔

چون نه باشد عشق را، پروای او   او چو مرغی ماند بی پروای او (ص ۳۴ :)

اس شعر میں پہلا رکن، پروای او،اس کی پروا اور دوسرے رکن، بی پر، وای او ہے یعنی بی پر،اور اس پر افسوس ہے۔

۱۱۔تجنیس مزدوج : تجنیس کی وہ قسم ہے جس میں کئی ارکان تجنیس ایک شعر یا مصرعے میں اکٹھے آجائیں۔

چونکه گل رفت و گلستان شد خراب بوی گل را از که جویم از گلاب (ص۳۴ :)

درج بالا شعر میں تجنیس اشتقاق اور تجنیس زاید کی مثالیں ہیں۔گویا ایک شعر میں ایک سے زیادہ اقسام موجود ہیں۔

جُست او را تاش چون بنده بود لاجرم جوینده یابنده بود (ص۱۶۶ :)

اس شعر میں اشتقاق اور تجنیس زائد ایک شعر میں موجود ہے۔دونوں رکن جناس :جُست اور جوینده ،ایک ہی ماده 'جُستن' سے مشتق ہیں۔اور دوسری مثال :بنده ،یابنده تجنیس زائد ہے جوکہ تجنیس مزدوج کی مثال ہے۔

وعدۀ اهل کرم گنج روان وعدۀ نا اهل شد رنج روان (ص۴۹ :)

درج بالا شعر میں ،اہل ،نااہل : تجنیس زائد/مذیل ،گنج ،رنج : تجنیس مطرف ،روان ،روان : تجنیس تام متماثل ہے۔یعنی یہ شعر تجنیس مزدوج کی مثال ہے۔

راستی کُن ای تو فخر راستان ای تو صدر و من درت را آستان (ص۱۹۹ :)

۱۲۔تجنیس مطرف: دو ارکان جناس میں ،شروع ،درمیان یا آخر کا حرف تبدیل ہو تو اسے تجنیس مطرف کہتے ہیں۔

یہ قسم مثنوی میں بہت زیادہ ہے کیونکہ مثنوی ہے ،اور قافیہ لانے کی ضرورت کے تحت ایسے کلمات کا استعمال بہ درجہ اتم موجود ہیں۔مثلاً: اصل :وصل ،دور: نور ،مستور: دستور ،نے: مے ،برید: درید ،نے :وے ،شما: سما ،

بشنو ! از نی چون حکایت می کند وز جدائیها شکایت می کند (ص۳۱ :)

از ادب پُر نور گشتست این فلک وز ادب معصوم و پاک آمد ملک (ص۴۱ :)

طالعش گر زهره باشد در طرب میل کلّی دارد و عشق و طلب (ص۱۰۴ :)

بشنوید! ای دوستان این داستان خود حقیقت نقدِ حالِ ماست آن (ص۴ :)

درج بالا مثال میں دورکن جناس میں، ایک ایک حرف مختلف ہے۔جوکہ تجنیس مطرف کی مثال ہے۔

۱۳۔ تجنیس ناقص: تجنیس محرّف: اس مراد تجنیس کی وہ قسم ہےجس میں ارکان تجنیس بالکل ایک جیسے لکھے جاتے ہیں صرف اعراب یعنی زبر،زیر اور پیش کا فرق ہوتا ہے۔اس فرق سے لفظوں کے معنی بھی مختلف ہوتے ہیں۔ (ہمایی،فنون بلاغت وصناعات ادبی،ص ۵۰)

تاکه نبض از نام کی گردد جِهان او بود مقصودِ جانش در جَهان (ص۴۷:)

درج بالا شعرمیں، جِہان اورجَہان،دورکن جناس محرف ہے۔جوصرف،زیراورزبر کےفرق سے دومختلف المعنی کلمات بن گئے ہیں،جوکہ تجنیس محرف کی مثال ہے۔

گرچه صر صر بس درختان می کَند با گیاه پست احسان می کُند (ص۳۴۴:)

اسی طرح ،صرف زبر،زیر سے لفظ اورمعنی تبدیل ہو گئے ہیں۔رکن اوّل کا مطلب ہے اکھاڑتا ہے،جبکہ رکن دوّم،کا مطلب ہے کرتا ہے۔

بهر آنست این ریاضت وین جَفا تا برآرد کوره از نُقره جُفا (ص۵۵:)

آن کسی را کش چنین شاهی کُشد سوی تخت و بهترین جاهی کَشد (ص۵۶:)

پُشت او خَم گشت همچون پُشت خُم ابروان بر چشم همچون پارِ دُم (ص۲۲۷:)

درج بالا اشعارمیں جلی حروف تجنیس ناقص یامحرف کی مثال ہیں۔

۱۴۔تجنیس مکرر: کلام میں دومتجانس الفاظ کو بلافاصلہ لانےکو تجنیس مکرر کہتے ہیں۔اس قسم کو تجنیس مزدوج،مردد اور تجنیس مکررمتشابہ بھی کہتے ہیں۔(تفہیمی،فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی،ص ۱۰۵:) مثلا:

دام آدم خوشۀ گندم شده تا وجودش خوشۀ مردم شده (ص۲۹۴:)

درج بالا شعر میں دام اور آدم دو رکن جناس ہیں اور وہ بلا فاصلہ آئے ہیں جو کہ تجنیس مکرر کی مثال ہے۔

قصۂ رنجور ورنجوری بخواند بعد ازان در پیش رنجورش نشاند (ص۴۲:)

نرم نرمک گفت شهر تو کجاست که علاج اهل هر شهری جداست (ص۴۶:)

زر اگرچه عقل می آرد ولیک مرد عاقل باید اُو را نیک نیک (ص۵۰ :)

زانکه پیوست ست هر لُوله بحوض خوض کُن در معنئ این حرف خوض (ص۲۹۸ :)

فقه فقه و نحو نحوو صرف صرف در گم آمد یابی ای یار شگرف (ص۳۰۰ :)

درج بالا اشعار میں جلی الفاظ، تجنیس مکرر کی مثالیں ہیں۔

مآخذومنابع

- تفہیمی، ساجد اللہ، ڈاکٹر، فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء
- روحی، اصغر علی، دبیر عجم، مطبوعہ رزّاقی مشین پریس، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۶ء
- رومی، جلال الدّین، مثنوی معنوی، جلد ا، رینولد الّین نیکلسون، مؤسسہ مطبوعاتی علی اکبر، تہران، سال ندارد
- رومی، جلال الدّین، مثنوی معنوی، مترجم، سجاد حسین، قاضی، دفتر اوّل و دوّم، الفیصل، لاہور، ۱۹۷۴ء
- شرف الدین حسن بن محمد رامی تبریزی، حقایق الحدایق، بہ تصحیح، سید محمد کاظم امام، چاپخانہ دانشگاہ، طہران، ۱۳۴۱ھ۔ش
- شمیسا، سیروس، دکتر، نگاہی تازہ بہ بدیع، نشر میترا، تہران، ۱۸۸۳ھ۔ش

- عابد، عابد علی، سیّد، البدیع، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء
- فقیر، شمس الدین، حدایق البلاغۃ، مطبع منشی نول کشور، کانپور، ۱۸۸۷ء
- کیا، زہرای خانلری، دکتر، فرہنگ ادبیات فارسی، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران، ۱۳۴۸ھ۔ش
- معظمہ اقبالی (اعظم)، شعر و شاعر اندر ایران اسلامی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ایران، ۱۳۶۶ھ۔ش
- نثاری، چہار گلزار، بہ اہتمام محمد عبد الرحمن بن حاجی محمد روشن، مطبع نظامی، کانپور، ہندوستان، ۱۲۸۸ھ۔ق
- وحیدیان کامیار، تقی، دکتر، بدیع از دیدگاہ زیبایی شناسی، سازمان مطالعہ و تدوین کتب علوم اسلامی دانشگاہ ھا، تہران، ۱۸۸۷ھ۔ش
- وطواط، رشید الدّین، حدایق السحر فی دقایق الشعر، بہ تصحیح عباس اقبال آشتیانی، انتشارات کتبخانہ سنائی، کتبخانہ طہوری، ۱۳۶۲ھ۔ش
- ہمایی، جلال الدین، استاد، فنون بلاغت و صناعات ادبی، جلد اوّل، چاپ سوّم، انتشارات توس، تہران، ۱۳۶۴ھ۔ش

لغات و فرہنگات:

- حسن اللغات، (فارسی۔اردو) اورینٹل بک سوسائیٹی، لاہور، سال ندارد
- فرہنگ عمید، (فارسی)، حسن عمید، کتابخانہ ابن سینا، تہران، ۱۳۳۷ھ۔ش
- فرہنگ فارسی، (فارسی)

***

آوازۂ منصور ۔ایک تجزیہ

*ڈاکٹر سلطان الطاف علی

The call of Mansoor -An Analysis

Dr. Sultan Altaf Ali

During the third century hijra in the days of Hazrat Junaid baghdadi, the Islamic history presents a great Sufi(mystic(in the name of Hussain bin Mansoor Hallaj. He used to recite"Anal-Haq″, meaning the Haq or truth is within him; but the opponents meant that he used to say that he is the Haq or real Truth. He was hanged by the order of ruler.

In the eleventh century hijra a dervaish, the humble Sufi, Sarmad Kashani lived in Delhi. Used to recite the half of Kalima, the formula of Faith. On this he was killed with the order of ruler of that time.

The 14th century hijra the descendants of Hazrat Sultan Bahu had experienced the great works of Fakhar e Kashmir, Pir Ghulam Dastgir Alqadri presented his life in the jihad(Kashmir war 1947-49(and in holy war with his self by keeping a pure and pious life. A son of the Fakhr e Kashmir Pir Ghulam Dastgir in the

---

* دانشور، سابقہ پروفیسر فارسی، بلوچستان

name of Sultan Arshad Alqadri recalls the status of Mansoor Hullaj, when he stops eating and drinking and used to be absorbed in the memory of The Creator, Allah. So no one is found to kill him but his absorption in the creator finishes his life. So he martyers himself in the love of the creator.

تیسری صدی ہجری اسلامی تصوف کی تعلیمات سے صحو وصفا سے آراستہ چلی آرہی تھی جس کے مورث اعلیٰ ومرشد کامل جنید بغدادیؒ جیسی عظیم شخصیت اپنے عمدہ اثرات شش جہات میں لئے ہوئے تھے کہ اچانک بغداد حسین بن منصور حلاج کے ''اناالحق'' سے ایک طوفان میں لرز اٹھا۔صوفیاء اور علماء حلاج کے اقدام وانجام پر ایک عرصہ تک مباحث میں سرگرم رہے۔حلاج کا کہنا یہ تھا کہ ''حق اس میں ہے'' اور معترضین نے یہ مفہوم لیا کہ وہ کہتا ہے کہ ''وہ حق ہے''۔

دنیائے تصوف کا کئی سلاسل میں فروغ ہوتا گیا۔سلسلہ قادریہ کے سرخیل سید عبدالقادر جیلانیؒ کے طریقہ کو پاکستان وہند،کشمیر وافغانستان میں فروغ دینے والے حضرت سلطان باھوؒ گیارہویں صدی ہجری میں ارشاد وتلقین کا آغاز کرتے ہیں۔اس تمام عرصہ میں صوفیاء اپنے اپنے طریق وفکر کے مطابق درس تصوف دینے لگے۔ان میں باہمی امتیاز وتقابل بھی ہوئے مگر ایک گونہ سکون سا نظر آتا رہا ہے کہ اتنے میں گیارہویں صدی ہجری میں سرمد کاشانیؒ محویت حق میں افضل الذکر لاالٰہ الا اللہ سے آگے کہنے سے انکار کرتے ہیں تو انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔

چودہویں صدی ہجری نے حضرت سلطان باھوؒ کے خانوادہ سے ایسی شخصیت کو بھی دیکھا جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی پیروی میں دو دھاری تلوار ''جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس'' سے جہاد کرنے لگے۔یہ اہم شخصیت ''فخر کشمیر پیر غلام دستگیر القادری'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔صوفیاء کی تاریخ میں حلاج کے بارہ سو سال اور سرمد کاشانی سے ۲۶۵ سال بعد پھر ایک طوفان نمودار ہوتا ہے بقول سرمد:

عمریست که آواز منصور کهن شد　　　من از سر نو جلوه دهم دار ورسن را

منصور حلاج کے پیدا کردہ ہنگامہ کو تو ایک عرصہ ہوا بیت گیا ہے،اب میں دار ورسن پر پھر سے جلوہ افروز ہوتا

ہوں، کے مصداق فخرِ کشمیر کے فرزند ارجمند سلطان ارشد القادری اسی ''حق''، میں محویت و تلاش کے عالم میں اپنی جان سپرد جاناں کر دیتے ہیں۔ وہ کھانا پینا مکمل ترک کر دیتے ہیں جو جسد خاکی کے زندہ رکھنے کے لئے لازمہ ہوتا ہے۔ جب انہیں ایسا کرنے سے منع کرنے کی کوشش کی گئی تو کہتے کہ بس تھوڑے دن رہ گئے ہیں میں پھر سے خورد و نوش کے نارمل عمل کی طرف آجاؤنگا۔ تو یہ سمجھا جانے لگا کہ ان کا کوئی روحانی تجربہ ہے جس سے گزرنے کا طریق رکھتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ حق سے ایسے پیوست ہوئے کہ حق کے ہو کر رہ گئے۔ گویا بمطابق کرجی نامہ:

ای دل به محبتش بکن جهد شدید باشد که کند ترا به دیدار سعید

گر فوت شوی به یک نگاهش چه غمست من مات من العشق فقد مات شهید

اے دل تو اس (محبوب) کی محبت میں اس قدر زیادہ کوشش کر کہ تیری اس محویت شدت کے صلہ میں وہ اپنا دیدار سعید عطا فرما دے۔ اس (محبوب) کی ایک نگاہ فرما دینے سے تو اگر اس جہان سے گزر جاتا ہے تو یہ کوئی غم کی بات نہیں بلکہ یہ سمجھ لے کہ جو کوئی عشق میں موت حاصل کر لیتا ہے وہ تو دراصل شہید کی موت پالیتا ہے۔

لوئی ماسینیون نے تحقیق کی اور انکشاف کیا کہ حلاج کا قتل سیاسی تھا اس لئے کہ وہ خلیفہ وقت کو پسند نہ کرتا تھا محققین و مورخین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سرمد شہید کا قتل بھی سیاسی تھا کیونکہ اورنگزیب عالمگیر کو اپنے مخالف بھائی دارا شکوہ کا سرمد کے ہاں آنا جانا پسند نہ تھا۔

مگر ہمارے ارشد القادری نے تو تلاش حق میں از خود جان پیش کر دی اور ہم ظاہراً کسی کے ہاتھ میں تلوار نہیں دیکھتے۔ البتہ یہ اس زمرہ میں آتے ہیں جس میں عشاق محبوب حقیقی کے سامنے مجرا ادا کرتے ہوئے جان پیش کرتے ہیں:

عاشق غرق ہوئے وچ وحدت باھو ویکھ تنہاندے مجرے ھو (ابیات باھو۔ ۸)

(اے باھو عشاق ذات تو اس (محبوب) کی وحدت میں مستغرق ہو کر رقص جان کرتے ہوئے جان سپرد کر دیتے ہیں ان کے اس انداز کو بھی تو دیکھ لو)۔

گویا منصور حلاج نے بھی دراصل مجرا کرتے ہوئے جان کو پیش کیا۔ سرمد نے بھی مجرا کرتے ہوئے محبوب کے سامنے جان پیش کی اور سلطان ارشد بھی مجرا کرتے ہوئے جسد خاکی سے الگ ہوئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سلطان باھوؒ کی تعلیمات میں تجلیات کے ساتھ صبر و تحمل، رضا و شکر کے ساتھ نفس مطمئنہ کے درس ملتے ہیں اور ساتھ ہی بیقراری، شوق و جنون، انوار کا پرتو نور سے تجلی مستہلک بن جانا بھی ہوتا ہے۔ دیوان باھو میں ارشاد ہوتا ہے:

بارها گفتم ترا دل بارها   گرد این هر گز مگرد این کارها

تو نه ای واقف ز دردِ دلبران   عشق آسان نیست مشکل کارها

اے دل میں نے تجھے بارہا کہا کہ اس عشق کے امور کے پیچھے نہ پڑنا۔ تو حسینوں کے غم (کے معاملہ) سے آگاہ نہیں ہے، عشق آسان نہیں اس میں بڑے مشکل کام آتے ہیں۔

ایسے احوال میں پھر بقول جلال الدین رومیؒ:

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست   از کجا می آیداین آواز دوست

انسان کی جسد خاکی خشک لکڑی، خشک چمڑے اور خشک تار پر ہی تو مشتمل ہوتا ہے پھر اس میں یہ محبوب کی آواز کیسے آنے لگ جاتی ہے۔

اسی داستان سے نقاب کشائی مرد قلندر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

آشنا هر خار را از قصه ما ساختی   در بیابان جنون بردی و رسوا ساختی

جرم ما از دانۂِ تقصیر او از سجده   نی بآں‌بیچاره می سازی نه باما ساختی

صد جهاں می روید از کشت خیال ما چو گُل   یک جهان وآن هم از خون تمنا ساختی

اے رب تعالیٰ ہماری انسانی داستان کے ساتھ ہر کانٹے کو بھی جوڑ دیا گیا ہے، تو نے ہمیں یک گونہ جنون

کے صحرا میں لے جا کر رسوا بھی کر دیا۔

ہمارا جرم تو ایک دانہ کھا لینے میں ہو گیا اور اس (ابلیس) کا قصور سجدہ نہ کرنے (کی نافرمانی) سے ہوا۔ گویا تو نے تو اس بیچارے کو بخشا اور نہ ہمارے ساتھ کرم نوازی فرمائی۔ ہمارے فکر و خیال میں تو سینکڑوں جہان پرورش پاتے ہیں جیسے کہ کوئی پھول کھلنے لگتا ہے اور پھر اس ایک جہان میں بھی تو نے ہماری تمناؤں کو خون آلودہ کر دیا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا نظام اٹل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبدِیلاً اور ہرگز تو اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا (۲۳:۴۸) سورۃ الملک میں واضح ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے (۱:۶۸) وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔ جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ بیشک جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے (۲:۶۷ تا ۱۲ کا مفہوم)۔

سورہ الشمس میں ارشاد ہوتا ہے: سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے اور دن کی جب اسے چمکائے اور رات کی جب اسے چھپائے اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم، اور زمین کی اور اس کے پھیلانے والے کی قسم، اور جان کی اور اس کی جس نے اسے مکمل کیا پھر بدکاری اور پرہیزگاری (کی شناخت اور اختیار) اس میں ڈال دیا، مراد مند ہوا جو پاک رہا (صاف رہا) نامراد ہوا جس نے اسے خراب کیا (معصیت میں) (۱:۹۱ تا ۱۰)۔

انسانی زندگی کے لئے یہ سب سے قابل غور افکار و احکام ہیں۔ پھر راہِ عشق کے لئے خود فخرِ کشمیر پیر غلام دستگیر القادری المتخلص ناشادؔ کہتے ہیں:

ناشادؔ ہو چکے ہیں سب زورقانِ عقل بحرِ محیطِ عشق کا ساحل نہ مل سکا

اس خانوادہ میں سلطان محمد نوازؒ کے بعد عشق کا سچا راگ الاپنے والا صاحبِ علم وقلم پیر غلام دستگیر القادری

کے بعد قلم کا وقار اور عزت قائم کرنے والا سلطان ارشد القادری ایک تجلی یا ایک نگاہ کے عطا ہو جانے میں اپنی آل اولاد ،گھر بار، احباب، عزت ونمود، حیات وثبات کے تعلقات سے تارک ہو گیا۔

اِنَّ فِی مَوتی حیات یا فتی کَم اُفارِقُ مَوطِنِی حتیٰ مَتیٰ

فُرقَتیٰ لَوْ لَمْ یَکُنْ فِی ذالسَّکون لَمْ یَقُلْ اِنّا اِلیهِ راجعون

راجع آں باشد که باز آید بشهر سوی وحدت آیداز تفریق دهر

(رومی، دفتر اوّل، حکایت امیر المومنین علیؑ)

اے نوجوان میری موت میں میری زندگی ہے

میں اپنے وطن سے کب تک اور کتنا جدا ہوں!

اگر اس سکونت میں میری جدائی نہ ہوتی

تو (اللہ تعالیٰ) نہ فرماتا ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں

لوٹنے والا تو وہی ہوتا ہے جو اپنے شہر میں واپس آئے۔ زمانہ کے فراق سے وصال کی طرف آئے۔

کوئٹہ کے معروف صحافی، اخبار روز نامہ زمانہ کے رپورٹر اور شاعر عرفان الحق صائم نے سلطان ارشد القادری کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

ساری دنیا ان کے بارے میں کہے ہے مجھ سمیت

اک ندیمِ مہربان، سلطان ارشد قادری

ارشد و مُرشد ہی کہہ دینا انہیں کافی نہیں

شاعرِ جادو بیان سلطان ارشد قادری

عمر بھر اس پیڑ کے سائے میں اک دنیا رہی

خود رہے بے سائباں سلطان ارشد قادری

تھے مرے دیرینہ ہمدم، بے تکلف تھا مذاق

میں کہوں پیر و جوان، سلطان ارشد قادری

جس کی تیاری میں شب بھر جاگتے رہتے تھے وہ

دے گئے ہیں امتحان، سلطان ارشد قادری

خانوادہ جن کا ''حق باھو'' ہے، حق کی راہ پر

چل دیئے ہیں ناگہان سلطان ارشد قادری

اس جہاں سے کچھ ہی دن پہلے وہ پردہ کر گئے

دہر میں صائم کہاں سلطان ارشد قادری

نام ان کا دینوی تاریخ کا حصہ بنا

''گو ہوئے خُلد آشیان سلطان ارشد قادری'' (2013ء)

عرفان الحق صائم بھی ۲۰۱۸ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے ان پر بھی رحمت و مغفرت ہو۔ آمین۔

آخر میں نیکو کارہ تحصیل احمد پور سیال کے شاعر الیاس طائر نے پنجابی میں سلطان ارشد القادری کی یاد میں ۲۴ دسمبر ۲۰۱۹ء کو لکھا ہے جو نہایت معنی خیز ہے اور مرحوم کی کیفیات سے مطابقت رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اندر جھاتی پاوے ارشد

بیٹھا اے آپ خداوے ارشد

ہالاں مٹی گجھڑاں ہہ

ہالاں پاڑیں پاوے ارشد

مُرشد پاک حسین پڑھایا

تینوں سبق رضاوے ارشد

جنگل دے وچ وسڑاں ہے

ہتھیں ڈیوا چاوے ارشد

مسجد دے وچ ملاں بیٹھا

توں صحرانوں جاوے ارشد

ھو دے چشمے پھوٹے طائرؔ

ہویا دل دریاوے ارشد

اپنے دل میں ارشد دیکھتا ہے تو وہاں وہ خداوند موجود ہے ابھی تو وہ مٹی گوندھ رہا ہے اور ارشد ابھی تو پانی ڈال رہا ہے۔ پاک حسین نے اے ارشد تجھے صبر کا درس دیا ہے۔ تو جنگل میں بسیرا کر رہا ہے اس لئے ارشد تو نے چراغ ہاتھ میں رکھا ہے مسجد میں ملا بیٹھا ہے ارشد نے صحرا کا راہ لے لیا۔ اے طائر ھو کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور اے ارشد دل دریا ہوتا جا رہا ہے۔

بہر حال حسین بن منصور حلاج کا ''انا الحق'' سے مقصود ''میں تخلیق حق ہوں'' کی انانیت ظاہر کرنی تھی جسے مادی دنیا نے نہ سمجھا اور ارشد القادری نے ایک روحانی تجلی میں انانیت ظاہر کرتے ہوئے امر فطرت کے خلاف مادی غذا کو ترک کیا۔ ایک کا ظاہر میں قتل اور دوسرے کا باطن میں قتل ہوا۔

من مات من العشق فقد مات شہید

***

فارسی شاعری میں تاریخی شعور

*سدرہ طاہر **ڈاکٹر نعیمہ بی بی

Historical consciousness in Persian poetry

Sidra Tahir/ Dr. Naeema Bibi

The purpose of the study of historical consciousness in Persian poetry is to bring out the words of such poets while studying Persian poetry Which is not only covers history but also studies the past, present and future in the light of this history. In the light of the views of researchers and critics, this article will cover the subject in the light of the history of Persian poetry and literature and translations of the word. In what way is historical consciousness evident in Persian poetry?

خلاصہ:

فارسی شاعری میں تاریخی شعور کے مطالعہ کے تحت فارسی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسے شعرا کا کلام سامنے لانا مقصود ہے جس سے نہ صرف تاریخ کا احاطہ ہوتا ہے بلکہ اس تاریخ کی روشنی میں ماضی حال اور مستقبل کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ فارسی شاعری میں تاریخی شعور کس صورت میں عیاں ہے؟ اس موضوع کے تحت فارسی شاعری کا مطالعہ ایک اہم تحقیقی کام ہے۔ محققین اور

* پی۔ایچ۔ڈی سکالر، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد

** استاد شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

ناقدین کی آرا کی روشنی میں اس مقالے میں فارسی شعر و ادب کی تاریخ اور کلام کے تراجم کی روشنی میں موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے شعرا کے کلام سے مثالیں پیش کی جائیں گی۔

کلیدی الفاظ: تاریخی شعور۔رودکی۔فارسی شاعری۔فرخی۔نظامی گنجوی۔

شاعری تجربات، مشاہدات،تخیل، جذبات و احساسات کے اظہار کی ایک زبان ہے۔شعر و ادب کے مطالعے سے نہ صرف جذبات کی تسکین ہوتی ہے بلکہ اس کی مدد سے قدیم زمانوں کے لوگوں کے خیالات ،ان کے زمانے کے حالات و واقعات کی عکاسی ہوتی ہے۔تاریخی شعور فرد کو زندگی کے تجربات، مشاہدات اور مطالعے سے حاصل ہوتا ہے۔یہ شعور حقیقت پر مبنی ہو یا پھر چاہے یہ فرضی ہو ادب میں تاریخ رقم کرتا ہے۔

فارسی زبان کا تعلق ہند یورپی زبان سے ہے۔اردو ادب کے تحت فارسی زبان و ادب کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ یہ اردو زبان کی تشکیل میں معاون رہی ہے۔اس کے اردو زبان اور اردو ادب پر بلاواسطہ اثرات ملتے ہیں۔ اُردو قواعد، ذخیرہ الفاظ کے ساتھ ساتھ اُردو ادب میں کئی اصناف اور اظہار کے وسیلوں کو متعارف کروایا بالخصوص شاعری میں اس کے اثرات نمایاں ہیں۔تاریخی شعور کا بنیادی مقصد ماضی کو مدنظر رکھتے ہوئے حال کا مطالعہ کرنا ہے اور حال کو مدنظر رکھتے ہوئے ماضی کا جائزہ ہے۔اس مقالے میں فارسی ادب کے ان چند شعرا کو منتخب کیا گیا ہے جن کے ہاں ہمیں نہ صرف ان کے عہد کی تاریخ ملتی ہے بلکہ وہ تاریخ کا شعور بھی رکھتے ہیں۔

فارسی شاعری میں تاریخی شعور کے مطالعہ کے تحت فارسی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسے شعرا کا کلام سامنے لانا مقصود ہے جس سے نہ صرف تاریخ کا احاطہ ہوتا ہے بلکہ اس تاریخ کی روشنی میں ماضی حال اور مستقبل کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔فارسی شاعری میں تاریخی شعور کس صورت میں عیاں ہے؟اس موضوع کے تحت فارسی شاعری کا مطالعہ ایک اہم موضوع ہے۔محققین اور ناقدین کی آرا کی روشنی میں اس مقالے میں فارسی شعر و ادب کی تاریخ اور کلام کے تراجم کی روشنی میں موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے شعرا کے کلام سے مثالیں پیش کی جائیں گی اور فارسی شاعری میں تاریخی شعور

دیکھنے کے لیے پروفیسر خلیق احمد نظامی کے اس قول کو مدنظر رکھتے ہوئے مطالعہ کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ایران کے تاریخی نظریات تخت وتاج کے گرد گھومتے تھے۔شاہ نامہ تاریخی فکر کا مرکز محور تھا۔ وہاں صرف شاہی خاندانوں کی تاریخ لکھی جاتی تھی ،عوامی زندگی سے مورخ کو کوئی سروکار نہ تھا چنانچہ ایرانی طرز پر لکھی ہوئی تاریخیں امرا اور سلاطین کی رزم و بزم کی داستانیں ہیں اور ان کے نام سے انتساب ہے" (۱)

ڈاکٹر اعجاز حسین ؛کتاب" نئے ادبی رجحانات" میں لکھتے ہیں کہ" تاریخ ایک ایسا خشک موضوع ہے جس میں شاعرانہ لطافتیں داخل کرنا بہت مشکل کام ہے۔" (۲) اس حوالے سے بھی شعرا کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تاریخی شعور ادب کے مطالعے کے لیے جدید اصطلاح ہے۔یہ دو الفاظ کا مرکب ہے تاریخی +شعور، تاریخی تاریخ سے منسوخ جو عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنی گزرے ہوئے حالات و واقعات کا بیان ہے۔شعور کا مطلب آگاہی یوں تاریخی شعور کا مطلب گزرے ہوئے حالات و واقعات سے آگاہی ہوا۔ ویکی پیڈیا سے ترجمہ کریں تو اس سے مراد تاریخی تجربے کی دنیاوی تفہیم بیان کی گئی ہے۔اس کو ماضی ،حال اور مستقبل سے جڑے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔انگریزی میں تاریخ کے لیے History کا لفظ جبکہ تاریخی شعور کے لیے Historical Consciousness کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

اس طرح ادب میں تاریخی شعور کے حوالے سے جو نکات سامنے آتے ہیں ان میں خورشید انور کی ادب میں تاریخی شعور سے متعلق یہ رائے اہمیت کے حامل ہے کہ

"ادب اور تاریخ دونوں علم کے دو علاحدہ شعبے ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں میں گہرا رشتہ ہے۔ادب اور تاریخ کے درمیان اس رشتے کی نوعیت ادبی تخلیقات میں تاریخی شعور کی بنیاد ہے۔" (۳)

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی "تنقید وتحقیق ادبیات" میں لکھتے ہیں:

"تاریخی تنقید میں ادب یا شاعر کا مطالعہ اس کے عہد کے تاریخی وسیاسی ،مذہبی اور سماجی حالات کی روشنی

میں کیا جاتا ہے ۔ساتھ ہی اس کے ماحول اور اس کے مزاج کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے تا کہ اس کے فن پارے کی صحیح قدر و قیمت جانی جا سکے۔" (۴)

فارسی زبان نے عہد بہ عہد بتدیج ترقی پائی ۔موجودہ شواہد کی روشنی میں اس کی تاریخ اڑھائی ہزار سال پرانی ہے ۔اور اس کا رسم الخط بھی ترقی پاتا ہوا موجودہ صورت میں پہنچا۔فارسی ادب کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے ۔اس تقسیم کے تحت فارسی ادب عہد بہ عہد جن حالات و واقعات سے گزر کر جدید صورت حال تک پہنچا اس کے پس پشت عوامل اور حالات کا جائزہ لینے سے تصویر واضح ہونی شروع ہو جاتی ہے ۔فارسی ادب کی تاریخ ایران کی سیاسی تاریخ کے ساتھ جڑی ہے ۔ایران کی سیاسی تاریخ کو درج ذیل ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے اشکانی اور کیانی عہد ایران کے اساطیری ادوار شمار کیے جاتے ہیں جن کی تاریخ خصوصاً فردوسی. کے شاہنامہ میں ملتی ہے ۔اس کے علاوہ فارسی ادب جن ادوار میں تقسیم ہیں وہ ساسانی عہد، طاہری دور، صفاری دور، سامانی دور، غزنوی دور، سلجوقی دور، ایلخانی ،تیموری دور، صفوی دور، قاچاری دور اور پہلوی دور۔ انہی ارتقائی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ادب ترقی کی منازل طے کرتا ہوا نظر آتا ہے ۔موضوع کے تحت انہی ادوار کے اہم شعرا کا ذکر کیا جائے جو تاریخی شعور رکھتے تھے ۔

رودکی:

سامانی عہد کا اہم شاعر جس کو فارسی شاعری کا باوا آدم ہونے کا شرف حاصل ہے لیکن ولی کی طرح اس پر بھی اختلافات پائے جاتے ہیں ۔یہ فارسی کا پہلا شاعر ہے جس کا دیوان مرتب ہوا۔رودکی کا اصل نام محمد یا جعفر تھا جو سمرقند کے علاقے پنج رودک میں ۸۷۳ء پیدا میں ہوا۔اس کا نام رودکی کی وجہ تسمیہ کے متعلق شعر العجم میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ردو ایک باجے کا نام ہے اور چونکہ محمد یا جعفر باجا بہت اچھا بجاتا تھا اس لیے اس کا نام ردوکی پڑ گیا دوسری وجہ رودک گاؤں میں پیدائش ہے ۔(۵) باجے کی نسبت سے نام کو ڈاکٹر محمد ریاض اور ڈاکٹر صدیق شبلی رد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ نام رودکی نے اپنے گاؤں کی نسبت سے تخلص رکھا۔(۶) حافظ قرآن تھا۔ہومر کی طرح اس

کے بارے بھی مشہور ہے کہ اندھا تھا۔ بہت سا کلام ناپید ہے۔ سامانی دور کے بادشاہ نصر بن احمد شاہ بخارا کا درباری شاعر تھا۔ رودکی پہلا فارسی کا ایسا شاعر ہے جس کی شاعری میں تاریخی پس منظر رکھتی ہے۔ ان کا ایک قصیدہ بوی جوی مولیان آید ہمی تاریخی پس منظر رکھتا ہے جو کہ بہت ہی معروف ہے فارسی میں :

"بوی جوی مولیان آید همی یاد یار مهربان آید همی

ریگ آموی و درشتی راه او زیر پایم پرنیان آید همی

آب جیحون از نشاط روی دوست خِنگ ما را تا میان آید همی

ای بخارا شاد باش و دیر زی میر زی تو شادمان آید همی

میر ماه است و بخارا آسمان ماه سوی آسمان آید همی

میر سرو است و بخارا آسمان سرو سوی بوستان آید همی (۷)

ترجمہ: جوئے مولیاں (بخارا کا ایک محلہ جو خوش کن آب و ہوا رکھتا تھا، جوئے مولیاں سے مراد اس مولیاں سے گزرنے والی خوش کن نہر مراد ہے۔) کی دل خوش کر دینے والی خوشبو آرہی ہے؛ مہرباں دوست کی یاد آرہی ہے۔

دریائے آمو کی ریگ اور اُس کی راہ کی سختی و ناہمواری میرے پاؤں کے زیر میں حریر کی طرح نرم و لطیف محسوس ہوتی ہے۔

اس دوست کے چہرے کے دیدار کی خوشی میں آبِ دریائے جیحون ہمارے اسپ کی کمر تک بالا آرہا ہے۔

اے بخارا! شاد رہو اور دیر تک جیو؛ شادمان بادشاہ تمہاری جانب آرہا ہے۔

امیر (بادشاہ) چاند ہے اور بخارا آسمان ہے؛ چاند آسمان کی جانب آرہا ہے۔

میر سَرو ہے اور بخارا آسمان ہے؛ سَرو بوستان کی جانب آرہا ہے۔"

اس کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ نصر بن احمد سامانی بخارا میں رہتا تھا اس کا پایۂ تخت دارالخلافہ بخارا میں تھا۔ وہاں سے وہ ہرات کی طرف یعنی شمال کی طرف چلا گیا۔ یہاں وہ گرمیاں گزارنے کی غرض سے گیا لیکن موسم خوبصورت ہونے کی وجہ سے چار سال تک وہیں رہا۔ اس کے ساتھ جو فوج گئی تھی وہ بھی اپنے خاندان بخارا میں ہونے کی وجہ سے اداس ہو گئے۔ اس طرح بادشاہ کے وزیر رودکی کی طرف آئے کہ اب رودکی ہی اس معاملے میں کچھ کر سکتا ہے کیونکہ وزیر تو بادشاہ کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے اس لیے رودکی نے اپنا ساز اٹھایا اور یہ قصیدہ گانا شروع کیا اور اسی دوران بادشاہ محفل میں آگیا اور وہ جب اس شعر پر پہنچا کہ" بخارا اس چاند کے بنا ادھورا ہے" اس پر بادشاہ ہیجان میں آگیا اور اس نے نہ امامہ لیا نہ جوتا پہنا جس حالت میں تھا ایسے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر بخارا کی طرف دوڑنا شروع کر دیا اس لحاظ سے یہ اشعار تاریخ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ شعرالعجم شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

" فارسی شاعری تفریح طبع کے سوا کچھ نہ تھی یعنی اس میں کوئی تاریخی واقعہ وجود میں نہیں آیا لیکن رودکی اس عام اعتراض سے مستثنٰی ہے۔" (۸)

عنصری:

ابوالقاسم حسن بن احمد عنصری پورا نام ہے۔ ابوا قاسم کنیت اور عنصری تخلص ہے۔ بلخ کا رہنے والا تھا اس کی پیدائش ۳۵۰ ہجری اور ۴۳۱ ہجری میں وفات پائی۔ بچپن میں ہی یتیم ہو گیا۔ آبائی پیشہ اپنایا اور تجارت شروع کی مگر کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ ڈاکوں کے ہاتھوں لوٹ لیا گیا۔ شاعری کا فطری شوق تھا۔ اس لیے سلطان محمود غزنوی کے چھوٹے بھائی نصر بن ناصرالدین کے دربار میں مدح سرائی کرتا رہا یہاں سے سلطان محمود تک پہنچا اور یہاں پہنچ کر سلطان کے حکم پر دربار کے شعرا کی اصلاح کا کام کیا اور ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔ عنصری کی شاعری میں سلطان محمود

غزنوی کی فتوحات کی تاریخ ملتی ہے۔بقول مقبول بیگ بدخشانی:

”(عنصری)اپنے زمانے کا عظیم قصیدہ نگار تھا اور سلطان محمد غزنوی کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔اس نے سلطان محمود کی فتوحات کو اپنے قصائد میں پیش کیا ہے۔“(۹)

عنصری کو دربار سے منسلک ہونے کے بعد دولت کی کمی نہ رہی ۔سونے کے برتنوں میں کھانا کھایا جاتا اور چاندی کے برتنوں میں پکایا جاتا اس کے کلام کی خصوصیات تھی کہ یہ مدح سرائی میں حد سے بڑھتا نہ تھا اس نے تمام حقائق کو مبالغے کے بغیر شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔جس سے اس دور کی نہ صرف تاریخ عیاں ہوگئی بلکہ سلطان محمود غزنوی کے عظیم کارناموں کا بھی پتہ چلتا ہے۔اس حوالے سے ادب نامہ ایران میں بھی مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں کہ عنصری سلطان محمود کی مہموں میں کیونکہ سلطان کے ساتھ رہتا اس نے جنگوں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے اس لیے ان واقعات کے متعلق جتنے بھی اشعار کہے وہ حقیقت کا عکاس ہیں۔

عنصری کے بادشاہ کی شان میں کہے قصیدے کے اشعار دیکھیے جس سے سلطان محمود غزنوی کی بہادری کا بیان ہے۔

تو مر دولت خسروان را جمالی تو مر ملت تازیان را امانی

تو مر چرخ اقبال را آفتابی تو مر گنج فرهنگ را قهرمانی

خرد را کند رای تو پیشگوبی وفا را کند عهد تو ترجمانی

ز کین وز مهرست شمشیر و کفت بدین کینه جوی و بدان مهربانی

تو نیزه بسنگ سیه در گذاری تو پیکان ز پولاد بیرون جهانی(۱۰)

ترجمہ

تم ایرانی حکمرانوں کا جمال ہو اور عربوں کے لیے امان ہو۔

تم بلند اقبالی کے آسمان کا سورج ہو تم داستان تہذیب و تمدن کا پہلوان ہو۔

تمہاری رای عقل کے رہنما اور تمہارا وعدہ ایفائے عہد کا ترجمان ہے۔

تمہاری تلوار شجاعت کا ترجمان اور تمہاری بخشش سخاوت کی علمبردار ہے۔

تمہاری طاقت بازو سیاہ پتھر میں بھی نیزہ گاڑ سکتی ہے۔

تمہارا وجود اس دنیا سے ماوراء ہے (یعنی جس خاک سے تمہارے خمیر کو گوندا گیا ہے وہ کوئی اور ہی مٹی ہے)

عنصری نے سلطان محمود کی فتح کے موقع پر چند اشعار کہے ان میں سے چند اشعار اور ان کا ترجمہ دیکھئے:

بوقت آنکه زمین تفته بد زباد سموم هوا چو آتش گردا ندرو بجائ شرار

ترجمہ: اس وقت زمین زہریلی ہواؤں سے دھندلی تھی اور ظلم ستم کی چنگاریوں کی جگہ آگ نے لے لی تھی۔

کسی که زنده بما نداست ازان هزیمتیان اگرچه تنشق درست است هست چون بیمار

ترجمہ : اس خطرناک جنگ سے جو لوگ بچ گئے تھے ان کی حالت ایسی تھی کہ بظاہر تندرست نظر آتے تھے اندر سے بیماروں کی طرح تھے۔ یعنی شکست کھانے والوں میں جو بچ گئے ہیں اگرچہ وہ سلامت ہیں لیکن بیماروں کی مانند ہیں۔

به مغزش اندر تیغ است اگر بود خفته به چشمش اندر تیر است اگر بود بیدار (۱۱)

ترجمہ: یہ ایسی یادگار جنگ تھی کہ اگر وہ لوگ سوئے بھی ہوں تو خواب میں انہیں تلواریں نظر آتیں اور ان کی جھنکار سنائی دیتی تھی اور بیداری کے عالم میں ان کی نگاہوں کے سامنے اس وقت کے ہونے والی تیروں کی بارش کا منظر موجود رہتا تھا۔

فرخی:

فرخی بھی ایک عظیم ایرانی سراؤں کا بہترین شاعر ہے۔ اس شاعر کا پورا نام ابوالحسن علی بن جولوغ فرخی سیستانی

ہے۔سیستان کا رہنے والا شاعر تھا دیہات سے اس کا تعلق تھا۔شادی کے بعد اخراجات بڑھ جانے پر دربار سے وابسطہ ہوا اور سلطان محمود غزنوی کے دربار میں اس کو خاصی شہرت حاصل ہوئی دربار سے منسلک ہونے کی وجہ سے اس کی شاعری سے بھی اس دور کی تاریخ عیاں ہوتی ہے۔فارسی ادب کی مختصر تاریخ میں فرخی کے تعارف کے حوالے سے درج ہے کہ یہ پہلا دربار سے وابستہ ایسا شاعر ہے جس کا کم وبیش سارا کلام محفوظ ہے۔(۱۲) فرخی کی شاعری بھی تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔عنصری کی طرح فرخی بھی سلطان کے ساتھ فتوحات میں شامل رہا۔بقول ظہور الدین" فرخی تین بار دریائی سفر میں سلطان محمود کے ساتھ رہا۔سومنات اور قنوج کی فتوحات میں شریک تھا۔فرخی نے تقریباً ۱۵ اشخاص کی تعریف میں قصائد لکھے ۔۔۔مدحیہ قصائد کے علاوہ ایسے قصائد بھی ہیں جن میں دیگر موضوعات کا ذکر ہے۔(۱۳)

اہم قصائد جو تاریخی اہمیت رکھتے ہیں ان میں" سومنات کی فتح " فرخی کے فکر وفن کا شاہکار ہے۔" فتح کشمیر" بھی لاثانی قصیدہ ہے اسے مورخین نے اسلامی تاریخ کا اہم ماخذ قرار دیا ہے۔" داغگاہ" بھی فرخی کا اہم قصیدہ ہے۔اس کے علاوہ فرخی کے مرثیے کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔یہ مرثیہ سلطان محمود غزنوی کے غم میں ڈوبا ہوا شدت اخلاص اور سچے لب ولہجے کا حامل مرثیہ ہے۔

فرخی کے کلام سے مرثیے کے چند اشعار دیکھیے جو اس نے سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد کہے:

آه و دردا و دریغا که چو محمود مَلِک — همچو هر خاری در زیرِ زمین ریزد خوار

آه و دردا کھ همی لعل به کان باز شود — او میان گل و از گل نشود برخوردار

آه و دردا کھ بی او هرگز نتوانم دید — باغِ فیروزی پُرلاله و گل‌هایِ ببار

آه و دردا کھ به یک بار تهی بینم ازو — کاخِ محمودی و آن خانهٔ پُرنقش و نگار

آه و دردا کھ کنون قرمَطیان شاد شوند — ایمِنی یابند از سنگِ پراکنده و دار

آه و دردا کھ کنون قیصرِ رومی برهد — از تکاپویِ برآوردنِ بُرج و دیوار

آه و دردا کھ کنون برهمنانِ همه هند   جای سازند بُتان را دگر از نو به بهار

فرخی نے اس عظیم سلطان محمود غزنوی کی تاریخ کو اس مرثیے میں رقم کر دیا کہ وہ کس قد کاٹھ کا بادشاہ تھا کس قدر عظیم بادشاہ تھا۔ جس نے صرف ۳۳ تنتیس سال حکومت کی اٹھاون ۵۸ سال کی عمر میں جس نے افغانستان سے ہندوستان میں سومنات کے بتوں کو گرایا اس غزنوی کے بارے علامہ اقبال نے کہا تھا۔

ے نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

اسی سلطان کو فرخی نے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ جس کے جانے پر اس کی سلطنت اور جس طرح اس نے اسلام کو ایک مضبوط قلعہ بنا دیا تھا۔ جس کے نام سے مندروں میں ہندوؤں اور غیر مسلمانوں کے دل دہل جاتے تھے اس کے جانے پر افسوس کر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی ایک پوری تاریخ کے پس منظر کو پیش کر دیا ہے کہ جب وہ موجود تھا تو کس طرح اس نے اسلام کے لیے عدل و انصاف کے نظام کو بھی قائم رکھا اور کس طرح اس نے اسلام کے لیے اپنے ملک کو ایک محفوظ مقام بنایا اور اس میں اب ذکر کیا ہے کہ قیصر روم اب آخر کس لیے حفاظتی دیوار بنائیں گے کیونکہ انہیں اگر خطرہ تھا تو سلطان محمود غزنوی سے تھا جو اب چل بسا ہے۔ اب سومنات کے برہمن نئے سرے سے مندر تعمیر کریں گے کیونکہ سلطان محمود غزنوی جس نے ان مندروں کو توڑا تھا اب وہ دنیا سے چل بسا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے اس مرثیے میں فرخی نے اس کے پورے دور کی منظر کشی کرتے ہوئے پورے دور کی عکاسی کی ہے اس کے علم و فضل کی اس کے بادشاہی نظام کی اسلام کے لیے لڑنے اور مسلمانوں کے لیے اس نے جو جدو جہد کی اس کو پورا بیان کیا ہے۔ بقول مقبول بیگ بدخشانی:

" فرخی کو اکثر جنگوں میں شریک ہونے کا موقع ملتا، اس لیے جو منظر اس کی نظروں سے گزرے انہیں بڑی تفصیل کے ساتھ قصائد میں پیش کر دیا۔" ۱۴

فرقی کا انداز بیان نہایت سادہ و رواں رنگین اور شریں ہے۔قصائد میں خوبصورت منظر نگاری اور تشبیہات کا استعمال ہے۔

فردوسی:

فردوسی؛ابوالقاسم منصور بن حسن کا تخلص ہے۔تہران کے شہر طوس کے گاؤں میں پیدا ہوئے۔فردوسی کو علم و ادب اور تاریخ ایران سے گہرا شغف تھا۔پیشہ چونکہ زمینداری تھا اس لیے فکر معاش نہ تھا خوشحال زندگی بسر کی۔شعر عمدہ کہہ لیتا تھا ساتھیوں کے مشورے پر تاریخ ایران سے گہرا لگاؤ ہونے کی وجہ سے تاریخ کو منظوم صورت میں پیش کیا اور سلطان محمود کے دربار تک پہنچا۔

”فردوسی نے شاہنامہ میں جتنے واقعات بیان کیے ہیں ان کا ماخذ اکثر و بیشتر معتبر کتب تاریخ ہیں۔۔۔ شاہنامہ ناموران ایران کے جنگی کارناموں کی پرجوش داستان ہی نہیں ہے۔بلکہ تاریخ کا ہر طالب علم اس سے ہر دور کے تہذیب و تمدن،اور رسم و رواج کے متعلق نہایت اہم معلومات حاصل کر سکتا ہے“ (۱۵)

یہ رزمیہ نظم شاہنامہ،فردوسی کا شاہنامہ اور شاہنامہ ایران کے نام سے یہ مشہور و معروف ہے۔ دنیا کی مشہور و معروف زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا جا چکا ہے۔فارسی ادب کی تاریخ میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جتنی شہرت اس شاہنامے کو حاصل ہوئی تاریخ میں اتنی شہرت کسی کے حصے نہ آئی۔شبلی نعمانی نے اس کو ایران کا انسائکلو پیڈیا کہا اور اسی طرح دیگر تنقید نگاروں نے اس کا تعلق عظیم کتب سے جوڑا ہے۔

”فارسی ادب کی تاریخ میں اس کو جو اہمیت حاصل ہے یا اس کا جو زبردست اثر ہے اسکے نتیجے میں فردوسی کے بعد سے خود ہمارے دور تک جتنے رزمیے فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں،وہ ملی ہوں یا دینی،تاریخی ہوں، یا نیم تاریخی،سب فردوسی کے شاہنامے کی پیروی میں نظم کیے گئے ہیں ان میں فردوسی کے شاہنامے کے وزن اور اسی کے اسلوب و روش کی پیروی کو افتخار کے ساتھ اپنایا گیا ہے۔“ (۱۶)

فردوسی کو اپنے اس کارنامے کا خود بھی ادراک تھا۔ اس نے اس کو مکمل کرنے کے لیے ۳۰ سال لگا دیے اور پھر جا کر یہ شاہکار تخلیق ہوا۔ فردوسی کا شعر دیکھیے جو اس نے اپنے اس عظیم کارنامے کے متعلق کہا:

بسی رنج بردم درین سال سی عجم زنده کردم بدین پارسی

فردوسی نے شاہ نامے میں ایرانی پہلوانوں اور بادشاہوں کی بہادری اور جوانمردی، میدان جنگ اور تن بتے لڑائیوں کی تصویر اس مہارت سے کھینچی ہے کہ آج بھی اس کو پڑھنے والوں کے دل گرما جاتے ہیں۔ (۱۷)

روایتوں میں فردوسی کے شاہنامہ کی تصنیف مدت اور دربار میں جانے سے متعلق شواہد میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن تذکرہ نگار اور تاریخ نگار اس بات سے متفق ہیں کہ سلطان محمود کے دربار سے اس کا واسطہ تھا اور اس کے لیے شاہ نامہ میں اشعار بھی کہے اس کی شاعری اتنی اعلٰی پائے کی تھی کہ دربار کے دیگر شعرا نے سازشیں کیں۔ اس وجہ سے وہ شاہنامہ کے مکمل ہونے پر انعام نہ پا سکا جب کہ عام رواج بادشوں کا انعام و کرام سے نوازے جاتے تھے مگر فردوسی کے ساتھ ایسا نہ ہوا البتہ کچھ سالوں بعد اسے بھی انعام دیا گیا۔

اس شاہ نامے کا مقصد ہی ایران قدمی کی تاریخ، تہذیب و تمدن کو محفوظ کرنا تھا۔ اس شاہنامے کا ہیرو رستم ہے۔ رستم کے تہران پر حملہ کرنے کے واقعات کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اشعار دیکھئے

همه غارت و کشتن اندر گرفت همه بوم بردست و بر سر گرفت

ترجمہ: بالکل لوٹنا اور مارنا شروع کیا، سارے ملک کو سر پر اٹھا لیا

زتوران زمین تابهلقلاب و روم نه دید ندیک مرز آباد بوم

ترجمہ: توران زمین سے لے کر روم تک ایک شہر بھی آباد نہ رہا،

شبلی شعر العجم میں لکھتے ہیں

فردوسی نے شاہنامہ کو اس حیثیت سے لکھا ہے کہ وہ پائے تخت کا مورخ ہے اور تمام واقعات شاہی تاریخ ہیں۔

امیر معزی:

امیر معزی کا شمار سلجوقی عہد کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔اصل نام ابو عبد الملک ہے۔ملک شاہ کے دربار سے وابستہ تھا۔تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ اس کی دربار میں اہمیت کچھ خاص نہ تھی لیکن بادشاہ کے مصاحب عید کا چاند دیکھنے میں مصروف تھے کہ معزی نے فی البدیہہ رباعی کہی۔جو بادشاہ کو پسند آئی اس پر بادشاہ نے انعام سے نوازہ تو شکرانے کے طور پر پھر سے رباعی کہی جو بادشاہ کو پسند آ گئی اور اس کی عزت بڑھ اور امیر معزی کے لقب سے پکارا گیا۔سلطان سنجر کے عہد میں ملک الشعرا بنا۔معزی کے قصائد کی تاریخی اہمیت خاص اہمیت کی حامل ہے۔بقول مقبول بیگ بدخشانی

"معزی کے بعض قصائد میں ملک شاہ اور سلطان سنجر کے زمانے کے تاریخی حالات بھی ملتے ہیں۔جن سے اس زمانے کے بعض تاریخی اور معاشرتی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔(۱۸)

ای ساربان منزل مکن جز در دیار یار من　　　تاریک زمان زاری کنم بر ربع و اطلاح و دم

ربع از دلم پر خون کنم خاک و من و دمن گلگون کنم　　　اطلال راجیحون کنم از آب چشم خویشتن

ترجمہ: اے قافلہ سالار ہماری خواہش و التماس ہے کہ مرے دوست کی بستی ،گاؤں اوف ملک کے سوا کہیں اور قیام نہ کریں۔وقت کی ظلمت اور تاریکی کو ختم کر کے امن لاؤں گا۔وقت نے اکثر سبز زار حسین ٹیلوں کو برباد کر رکھا ہے۔میں اپنے دل کے خون کے زیادہ حصے دیکر اس خاک اور ٹیلوں کو ایسا چمستان بناؤں گا جو سرخ پھولوں سے مزین ہوں۔اس کوہ دمن اور خاک پر ظلمت کی کڑکتی دھوپ نے جو حالت بنا رکھی ہے میں اپنے آنسوں سے سایہ عافیت بناؤں گا۔

اسی طرح ایک قصیدے سے چند اشعار دیکھیے پورا قصیدہ تاریخی بیان کرتا ہے۔

؎ ہست اندرین سعادت تائکد ملک و دولت　　　ہست اندرین بشارت تاریخ دین و دنیا

ـــہ از نعل بادپایان وز خون خاکساران گرد و بخارا ازایدر رفته است تا بخارا

ـــہ ملکی گرفته ای تو چون تازه بوستانی با دوستان همی کن در بوستان تماشا

ـــہ منسوخ شد به گیتی زین داستان و قصه هم قصه سکندر هم داستان دارا

ترجمہ ومفہوم:

ان اشعار میں شاعر نے بادشاہ کی تعریف میں اشعار کہے ہیں لیکن وہ اس دور کے بادشاہ کی عظمت و بہادری کی داستان ہے ۔شاعر کہتا ہے ان کی وجہ سے ملک میں دولت وسعادت کی فراوانی ہے اور دین و دنیا کی خوشحالی بھی ان کے مرہون منت ہے ۔عاجز ومخلص افراد نے اپنے خون بہا کراور گھوڑوں کی دوڑ کی طرح تیز ترین وسرعت کے ساتھ بخارا کے گردونواح کے علاقے کو فتح کرکے نہ صرف بخارا کو وسعت دی ہے بلکہ بخارا کو ایک بہترین قلعہ بناتے ہیں ۔اس کو ایک ایسا ملک بنایا ہے جیسے تازہ گلستان ہو امن وامان اور خوشحالی کا عالم یہ ہے کہ گلستان میں دوست و دشمن مل کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں ۔اس داستان نے تو دنیا بھر کی داستانیں منسوخ کر دیں ۔داستانوں میں مشہور سکندر اعظم کی داستان کو بھی اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔

گو کے ان اشعار میں مبالغے سے کام لیا گیا ہے لیکن ان اشعار سے با آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔شاعر نہ صرف اپنے عہد کی تاریخ رقم کرنے میں معاون ہے بلکہ آپنی تاریخ کا ادراک بھی رکھتا ہے ۔

نظامی گنجوی:

حکیم جمال الدین ابو الیاس نظامی اصل نام ہے ۔شہر گنج میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے گنجوی کہلائے ۔ سلجوقی دور کے بڑے شاعر ہیں لیکن کسی دربار سے وابستہ نہ تھے ۔ان کی وجہ شہرت ان کی مثنویاں ہیں ۔ان مثنویوں کی بدولت انہیں فارسی ادب کا بڑا شاہکار داستان سرا کہا جاتا ہے ۔انہی مثنویوں کی بدولت حکمرانوں سے انعام وکرام پاتے

رہے اور ان مثنویوں کو حکمرانوں کے ناموں سے منسوب کرتے رہے شعر العجم اور ادب نامۂ ایران میں لکھا ہے کہ ان کی شاعری کا اتنی قد آور تھی کہ حکمران جاودانی حیثیت حاصل کرنے کے لیے بھی مثنویوں کو منسوب کرنے کی التماس کرتے تھے۔ان پانچ مثنویوں کو خمسۂ نظامی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔جن کے مشہور و معروف نام ذیل میں ہیں۔

مخزنِ اسرار، خسرو شریں، لیلیٰ مجنون، بہرام نامہ یا ہفت پیکر یا ہفت گنبد، سکندر نامہ (شرف نامہ+ اقبال نامہ)

ان مثنویوں میں خوبصورت اور دلکش مناظر، دلچسپ مکالمے اور واقعات کا ڈرامائی اتار چڑھاؤ مناسب انداز میں پایا جاتا ہے۔نظامی گنجوی کو تاریخ کا پورا پورا شعور تھا۔ان کی شاعری تاریخی شعور کا احاطہ کرتی ہے۔ہفت پیکر ساسانی عہد کا ایک قدیم قصہ ہے۔اور یہ شہزادہ بہرام گور کی تاریخی داستان بھی کہی جا سکتی ہے۔

اسی طرح سکندر نامہ بھی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔یہ مثنوی دو حصوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصے کا نام اقبال نامہ جبکہ دوسرے حصے کا نام خرد نامہ ہے۔پہلے حصے میں سکندر کی فتوحات کا ذکر ہے دوسرے حصے میں اس کے علم و دانش حکمت کا بیان ہے۔سکندر نامہ سے چند اشعار دیکھیئے:

سپهر آن بساط کهن درنوشت — بساط دگر ملک را تازه گشت

همه ساله گوهر نخیزد زسنگ — گهی صلح ساز و جهان گاه جنگ

بگردن کشی بر میادرنفس — بشمشیر بامن سخن گوی و بس

ترا آن کفایت که شمشیرمن — نیارد تخت تو زیر من

یہ اشعار سکندر کی کیفیات قلب کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ان اشعار سے متعلق مقبول بیگ بدخشانی واقع لکھتے ہیں کہ:

"دارا کے جلال و جبریت کا ڈنکہ ایران سے روم تک بجتا تھا۔اس کے نام سے سلاطین تھراتے تھے۔روم و شام کے باجگذار تھے۔روم حسب معمول خراج آنے میں دیر ہوئے تو دارا کی پر ہیبت پیشانی شکن آلود ہو گئی۔اس نے سکندر کے پاس سفیر بھیج کر مطالبہ کیا۔سکندر اپنی فتوحات کے نشے میں سرشار تھا، اس نے

ساری دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے باندھ رکھے تھے۔اس پیغام کو سن کر اس کی کیفیت ایسی ہوئی جیسے کوئی اژدہا کو چھیڑ دے۔" (۱۹)

عمر خیام:

عمر خیام بھی سلجوقی دور کا اہم شاعر ہے۔اصل نام ابوالفتح عمر بن ابراہیم ہے۔نیشا پور میں پیدا ہوا۔عمر خیام سلجوقی دور کا ایسا شاعر کے جس کی رباعیات کا ترجمہ تقریباً دنیا کی تمام مشہور زبانوں میں ہوا ہے۔

"خیام اپنے زمانے میں بہت بڑے علما اور فضلا میں شمار کیا جاتا تھا اور چوٹی کے علما جیسے غزالی اور سلجوقی سلاطین اور سلجوقی دور کے امراء جیسے ملک شاہ سلجوقی اور خواجہ نظام الملک طوسی سے تعلقات رکھتا تھا۔ سلطانی مجالس اور علمی اور ادبی محافل میں عزت کے ہاتھوں لیا جاتا تھا۔" (۲۰)

عمر خیام فلسفے اور ریاضی کا ماہر تھا لیکن اس کی رباعیات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عمر خیام تاریخی شعور بھی رکھتا تھا۔شبلی عمر خیام کو فلسفے اور مذہبی علوم کے علاوہ فن ادب کا تاریخ کا امام فن قرار دیتے ہیں۔(۲۱)

عمر خیام کا شعر دیکھیے:

؎بزمیست که وامانده صد جمشید است قصریست که تکیه گاه صد بهرام است

ترجمہ: سینکڑوں جمشید اس محفل میں آکر اٹھ گئے۔سینکڑوں بہرام کا اس قصر میں بسرام ہے۔

شاعر نے اس میں دنیا کی رونقوں کو ایک ایسی محفل کی مانند قرار دیا ہے جو پرکشش ہے لیکن اس میں ہزاروں جاہ ستم رکھنے والے جمشید کی طرح زندگی گزارنے والے حکمران بھی حیران و پریشان اور دنگ مردہ ہیں یہ ایک ایسا ایوان محل اور عالی شان منزل ہے۔جو سینکڑوں برام جیسے اشخاص کی سکون و راحت کرنے کی جگہ و آرام گاہ ہے۔

جمشید ایران کا ایسا بادشاہ جس کی تاریخ اور بہادری کی داستانیں قصوں سے ملتی ہیں حضرت عیسیٰ سے ۸۰۰ سال قبل کا بادشاہ بتایا گیا ہے۔

قدسی مشہدی:

اصل نام حاجی محمد جان قدسی ہے۔دربار شاہجہانی سے وابستہ رہے۔ بادشاہ کی مدح سرائی کی اور بہت سا انعام واکرام حاصل کیا۔ان کی شاعری تاریخی حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔دومثنویاں" ظفرنامہ شاہجہانی " اور "مثنوی کشمیر" لکھی ۔مثنوی قدسی مشہدی کے نام سے ان مثنویوں کی تلخیص کی گئی ہے۔مقبول بیگ بدخشانی کی تحقیق کے مطابق:

> " مؤلف مفتاح التواریخ لکھتے ہیں کہ قدسی کو تاریخ گوئی میں بہت ملکہ حاصل تھا۔جب شاہ جہاں نے نو کروڑ روپے کی لاگت سے تخت طاؤس تیار کرایا تو اکثر شعرا نے قصیدے،قطعات اور تاریخیں کہیں ،مگر قدسی کی تاریخ پسند آئی اور گنبد کے اندر مینائے سبز سے لکھوائی گئی"۔(۲۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدسی اس دور کے حالات کا ادراک رکھنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کا شعور بھی رکھتے تھے۔شعر دیکھئے:

چو تاریخش زبان پر سید از دل　　　بگفت اوررنگ شاهنشاه عادل

ترجمہ : تاہم زبان نے اس تاریخ وتہذیب کی ترقی کے بارے دل سے سوال کیا تو جواب یہی ملا کہ شہنشاہ عادل کی حکومت اور بادشاہت میں تقویت ملی۔اوررنگ زیب شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا تھا جو تمام معاملات کو عقل مندی سے سے دیکھتا تھا۔

سعدی:

سعدی کا تعلق ایران کے شہر شیراز سے ہے وہیں ان کی پیدائش ہوئی۔اپنی حکایات کی بدولت فارسی کے مشہور شاعر ہیں۔ بوستان اور گلستان ان کی فارسی کی منظوم اور نثری کتب ہیں۔ان کا ترجمہ بھی دنیا کی تقریباً تمام بڑی زبانوں میں ہوا ہے۔ان کا اصل نام مشرف الدین اور مصلح الدین میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔سعدی ان کا تخلص ہے۔والد کی بچپن میں ہی وفات پا گے۔دورِ مغول کے شعرا سے تعلق رکھتے ہیں۔سیر وسیاحت کا شوق تھا انہوں نے

زندگی کے ہر رنگ کو دیکھا۔ ہر طرح کے لوگوں سے ان کا واسطہ پڑا۔ عراق، عرب، شام، فلسطین، مصر، حبش اور توران کے ممالک کی سیر کی۔ خاندان عباسیہ کے آخری خلیفہ معتصم باللہ کا جاہ جلال رعب و دبدبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اہل بغداد کا تاتاریوں کا قتل عام اور تباہی و بربادی کا سلسلہ دیکھا۔ جس پر مرثیہ بھی لکھا اس کا پہلا شعر یہ ہے:

آسمان راحق بودی گر خوی بیاردبر زمین بر زوال معتصم امیر المؤمنین

سعدی نے صرف اپنے عہد کے حالات ہی قلم بند نہیں کیے بلکہ ان کے ہاں تاریخ کا شعور بھی کافی گہرا اس کی مدد سے انہوں نے آنے والوں کے لیے اصلاحی نمونے چھوڑے ہیں۔ مثال دیکھئے

پسر نوح بابداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد

سگِ اصحابِ کھف روزی چند پئی نیکاں گرفت مردم شد

یہ حضرت نوح کے بیٹے کے حوالے سے ہے کہ کیسے ان کا بیٹا برے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنے سے گمراہی کا شکار ہوا یہی وجہ ہے کہ اس کو نبوت سے محروم رکھا گیا۔ دوسرا شعر میں بھی اسلامی تاریخ کے مشہور واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ اصحابِ کہف یعنی وہ سات صحابی جن کو بادشاہ قیانوس نے کفر کے لیے مجبور کیا تو وہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے اور ایک غار میں چھپ گئے۔ اس واقع میں ایک کتا بھی جوان کے ساتھ گیا انہوں نے اس کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ بھی ان کے ساتھ گیا اور نیکوں کے ساتھ نیک ہوگیا یعنی اچھے لوگوں کے ساتھ رہنے سے وہ بھی جنت کا مستحق ہوگیا۔

دانی که چه گفت زال بار ستِم گرد دشمن نتواں حقیر و بیچاره شمرد

دیدیم بسی که آبِ سر چشمه خرد چوں بیشتر آمد شتر و بار ببرد

رستم پہلوان کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔ جو تاریخ کا ایک اہم واقع ہے۔ ان کے والد نے انہیں نصیحت کی تھی کے کبھی بھی دشمن کو بیچارا اور حقیر شمار نہ کریں۔ ابتدائی طور پر اگر چشمے میں خلا آئے تو اس کو ٹھیک کیا جاسکتا ہے لیکن

اگر (ڈیم کی مثال لی جاسکتی ہے) وہ پھوٹ پڑے تو اس کو روکنا یا بند کرنا مشکل ہے۔

اسی طرح سعدی نے اپنے دور کے حالات و واقعات کو اخلاقیات کے درس کے ساتھ پیش کیا ہے بادشاہوں کے قصوں کے ذریعے ان کی شاعری سے تاریخ عیاں ہوگئی۔اکثر مقامات پر بادشاہوں کے ناموں کے ساتھ حکایات ہیں۔

شب نور خواهی منور چو روز ازیں جا چراغ عمل بر فروز

ہم نے کبھی عمل کا کوئی ایسا چراغ جلایا جس سے ہماری زندگی کی کوئی اندھیری رات روشن ہوگی۔

ماحصل:

تاریخ گوئی، قصہ گوئی ،منظر نگاری اور تاریخ کا شعور ملتے جلتے مفہوم رکھتے ہیں ۔موضوع زیر مطالعہ فارسی شاعری میں تاریخی شعور کا احاطہ کرتا ہے۔اس مطالعے کے بعد اگر پیش نظر نظری دائرہ کار کے حوالے سے بات کی جائے تو خلیق احمد نظامی کا جو قول مدنظر رکھا گیا تھا یہ مطالعہ اس قول کی مکمل عکاسی کرتا ہے ہم نے ایرانی ادب کی تاریخ سے ایسے شعرا کا انتخاب کیا تھا جن کی شاعری میں ہمیں کسی نا کسی صورت تاریخ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔قول کے مطابق واحد شاہنامہ فردوسی ایک ایسی منظوم داستان ہے جو نہ صرف اپنے عہد کے حالات کی عکاس ہے بلکہ تاریخ کی بھی مکمل دستاویز ہے اس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں فردوسی کے ہاں تاریخی شعور فن کمال کی بلندیوں پر ہے۔اس میں پہلی مرتبہ تاریخ ایران کی نمود ہوئی۔اگر فردوسی کہ ہاں تاریخ کا شعور نہ ہوتا تو وہ اتنا بڑا شاہنامہ نہ تخلیق کر پاتے۔دوسرا نکتہ نظری دائرہ کار کے حوالے سے یہ اہم تھا کہ ایرانی ادب کی تاریخ تخت و تاج کے گرد گھومتی ہے۔تو یہ بات بھی درست ثابت ہوئی کیونکہ بادشاہی نظام تھا قصیدے لکھے جاتے تھے اور جن شعرا کے ہاں کسی حد تک تاریخی عناصر پائے جاتے ہیں وہ یا تو مکمل طور پر دربار سے وابستہ ہیں اور دربار کے شعرا ہیں اگر ان شعرا میں سے کسی ایسے شاعر کی مثال پیش کی جائے جو درباری شاعر

نہ تھا لیکن وہ پھر بھی کسی نا کسی صورت دربار سے تعلق ضرور رکھتا تھا یہاں تک کہ فردوسی کو بھی انعام کی غرض پیدا ہوئی۔اس نظریے کا ایک نکتہ یہ بھی اہم تھا کہ اس دور میں صرف شاہی خاندانوں کی تاریخ لکھی جاتی تھی تو اس بات سے بھی ہمارا مطالعہ اتفاق کرتا ہے کیونکہ اس دور کی تاریخ میں دربار ہی سب کچھ تھا اور انعام واکرام کی غرض سے اس میں جزئیات کے ساتھ بادشاہ اور اس کی بہادری کی داستانیں رقم ہوتی تھیں عام عوام اور ان کی زندگیوں سے شاعر اور تاریخی واقعات کا بیان کرنے والوں کو کسی سے کوئی سروکار نہ تھا چنانچہ ایرانی طرز پر لکھی ہوئی تاریخیں امراء اور سلاطین کی رزم و بزم کی داستانیں ہیں یہ مطالعے سے ثابت ہو گیا ہے اور او پر ایسے شعرا جن کا تعلق برائے راست دربار سے نہ تھا وہ بھی کسی نا کسی طرح دربار سے منسلک تھے بادشاہوں کے لیے قصائد نہ بھی لکھیں تو ان کا انتساب بادشاہوں کے نام کر دیا جاتا تھا۔

حوالہ جات

۱۔خلیق احمد نظامی، پروفیسر، اردو میں تاریخ نگاری کی تاریخ :ابتداء اور ارتقاء (اٹھارویں صدی سے لے کر ۱۹۴۷ء تک)، ڈاکٹر شہناز بیگم، جے۔کے آفسیٹ دہلی، ۲۰۱۰ء ص ۴۲

۲۔اعجاز حسین، ڈاکٹر، نئے ادبی رجحانات، کتابستان، الہ آباد، ۱۹۴۲ء ص ۱۷۶

۳۔خورشید انور، قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں تاریخی شعور، انجمن ترقی اردو ہند نئی دلی، ۱۹۹۳ء ص ۴۷

۴۔ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، پروفیسر، تنقید و تحقیق ادبیات، مجلس تحقیق و تالیف فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور، س۔ص ۵۹

۵۔شبلی نعمانی، علامہ، شعر العجم، جلد اول ، در طبع معارف اعظم گڑھ طبع گذدید، ۱۹۸۴ء ص ۲۵

۶۔محمد ریاض، ڈاکٹر، صدیق شبلی، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء ص ۲۴

۷۔ردودکی ،شعر العجم، جلد اول ص ۲۸ ۸۔شبلی نعمانی، علامہ، شعر العجم جلد اول ص۔ ۲۷

۹۔مقبول بیگ بدخشانی، تاریخ ایران، جلد دوم مجلس ترقی ادب لاہور س۔ص ۱۶۶

۱۰۔عنصری، قصائد، در مدح سلطان مسعود غزنوی https: // ganjoor.net/onsori/oghas/sh5 / تاریخ ۲۴: مئی ۲۰۲۰

۱۱۔مقبول بیگ بدخشانی، مرزا، ادب نامہ ایران، یونیورسٹی بک ایجنسی۔لاہور س۔ص ۱۳۰

۱۲۔محمد ریاض، ڈاکٹر، صدیق شبلی، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص ۳۳

۱۳۔ظہورالدین احمد،ڈاکٹر،ایرانی ادب ،مرکزتحقیقات فارسی ایران وپاکستان،اسلام آباد،۱۹۹۶ص ۲۴

۱۴۔مقبول بیگ بدخشانی،تاریخ ایران،جلددوم ص ۱۳۸

۱۵۔محمدعظیم الحق جنیدی،مآثرعجم،مکتبہ فانوس لاہور،۱۹۴۱ص ۱۱۱

۱۶۔ذاکرہ شریف قاسمی،ڈاکٹر،فارسی شاعری(ایک مطالعہ)،شیخ چاند اسٹریٹ۔لال کنواں۔دھلی،۱۹۸۷ص ۷

۱۷۔عارف نوشاہی،ڈاکٹر،فردوسی طوسی اوراس کا آفاقی شاہکار" شاہنامہ"،سہ ماہی پیغام آشنا شمارہ ۲۲،۲۰۰۵ص ۷۷

۱۸۔مقبول بیگ بدخشانی،مرزا،ادب نامۂ ایران،ص ۲۸۳

۱۹۔ایضاً ص ۳۸۹

۲۰۔رضازادہ شفق ،ڈاکٹر،تاریخ ادبیات ایران،مترجم سیدمبارزالدین رفعت، ۱۹۸۸ص ۲۰۵

۲۱۔شبلی نعمانی،علامہ،شعرالعجم،جلداول ص ۲۰۳

۲۲۔ مقبول بیگ بدخشانی،مرزا،ادب نامۂ ایران،ص ۶۷۰

دستورِ زبانِ فارسی "پنج استاد" ایک جایزہ

* ڈاکٹر محمد شاہ کھگہ

A review of Persian Grammer and Composition" PANJ USTAAD"

Dr.Muhammad Shah Kagha

Dastoor-e-Zuban-e-Farsi(Panj Ustad(is a very important grammer of Persian.This grammer has been written by Irani Scholars of Tehran University.There is no such grammer in sub-continent.Thats why Dastoor-e-Zuban-e-Farsi has been translated into Urdu; to make Persian language easy to learn.This grammer has been written by five teachers.These teachers are Abdul-Azeem Qareeb,Jalal Hamayi, Rasheed Yasmi, Bahar and Badi-uz-Zaman Faroz Anfr.In this book,noun,pronoun,adjective and verb has been explained.In the end,form of verbs(Masdar-Nama(have been given with Urdu and English meanings.Along with gramatical rules,there is composition and examples in it.

Keywords: Panj-Ustad,Grammar,Iranian Scholars,Tehran

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبہ فارسی، گورنمنٹ گرونانک گریجوایٹ کالج، ننکانہ صاحب

دستورِزبانِ فارسی (پنج استاد) ایک ایسی گرامر کی کتاب ہے جو اصول فارسی میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ایران کے بہت بڑے پانچ استادوں کی مجموعی کاوش ہے اور ایران وتوران میں بڑی مفید ہے۔ اسی وجہ سے اسے دستور زبانِ فارسی (پنج استاد) کہتے ہیں۔ دکتر سیروس شمیسا نے بھی کہا:

"این کتاب ہنوز طرفدارانی دارد وحتّیٰ در دانش کدہ ھای ادبیات ہمراہِ سایرکتب دستوری خواندہ می شود۔" (1)

دستور زبان فارسی (پنج استاد) ایران میں (1327 ش/ 9-1948ء) تالیف ہوئی اور پہلی بارتہران میں شرکت سہامی کے توسط سے (1328ش/ 50-1949ء) زیورطباعت سے آراستہ ہوئی (2) دستور زبان فارسی (پنج استاد) تہران یونیورسٹی، ایران میں ایرانی وغیر ایرانی طلبہ وطالبات کوبھی پڑھائی جاتی تھی۔(3) دستور زبان فارسی (پنج استاد) کوتالیف کرنے والے پانچ اساتذہ کا یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

عبدالعظیم قریب، ملک الشعرائے بہار، استاد رشید یاسمی کرمان شاہی، بدیع الزمان فروزانفر اور جلال الدین ھمایی۔ یہ وہ اساتذہ ہیں جن کو اپنے اپنے کام اورتحقیق کی وجہ سے پوری دنیا میں جانا پہچانا جاتا ہے لیکن پھربھی میں اختصار کے ساتھ اساتذہ کا تعارف کروانا چاہتا ہوں۔

1۔ استاد عبدالعظیم قریب (1257۔ 1344ش) ایران میں گرگان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی میرزا علی سرشتہ سے حاصل کی اور بعد میں قریباً 1311 ہجری تہران میں تشریف لائے اور بڑے بڑے دانشمندوں سے کسب فیض کیا۔ مدرسہ دارالفنون میں فرانسیسی زبان میں کمال مہارت حاصل کی۔ عبدالعظیم قریب بہت بڑے فارسی کے استاد تھے اور قریباً 67سال زبان و ادبیات فارسی پڑھاتے رہے تھے(4)۔ 1344ش چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی اور بہت سا علمی وفنی ودینی کام یادگار چھوڑا:

قواعد فارسی درصرف ونحو

دستور زبان فارسی

بدایۃالادب

فوایدالادب درنظم ونثر منتخب

کتاب املا

قرات فارسی

علم بدیع

تصحیح وتحشیہ کلیلہ و دمنہ

تصحیح وتحشیہ گلستان سعدی

تصحیح وتحشیہ بوستان سعدی

برامکہ

سخنانِ شیوا ومنتخب کلیہ و دمنہ (5)

2۔ ملک الشعراء محمد تقی بہار (1266 - 1330ش) سرزمین ایران کے بہت بڑے شاعر اور مصنف تھے۔ بہار 16 آبان 1265ش/ 1886ء میں ایران کے شہر مشہد میں پیدا ہوئے۔قریباً دس سال کی عمر میں موزوں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔آپ کے والد گرامی ملک الشعراء محمد کاظم صبوری اپنے وقت کے جید اور اہم ترین شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ بہار اپنے والد کی وفات کے بعد قریباً 19 سال میں ملک الشعراء کے عہدے پر پہنچ گئے تھے۔بیس سال کی عمر میں ایرانی پارلیمنٹ کے رکن بھی منتخب ہوئے۔علم و دانائی،شعر وحکمت میں بے مثل تھے۔ پاکستان سے بھی بڑی محبت تھی۔بڑی بھرپور اور شاندار زندگی گزاری۔آپ نے قریباً یکم اردی بہشت 1330ش/ 21 آوریل 1951ء تہران میں داعی اجل کو لبیک کہا(6) ملک الشعراء بہار شاعر،محقق،مصنف اور استادِ دانش گاہ تہران تھے۔روز نامہ" نگار" کے

مدیر بھی تھے اور قدیم و جدید سخن پر بڑی نظر بھی تھی (7)۔

دیوان بہار دو جلدوں میں شایع ہو چکا ہے، سبک شناسی تین جلدوں میں ہے۔

تصحیح و تحشیہ تاریخِ سیستان و مجمل التواریخ بہت معروف ہے (8)۔

3۔ غلام رضا رشید یاسمی کرمانشاھی (1275۔ 1330 ش) کی فن شعر میں بڑی شہرت تھی۔ فن ترجمہ میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کا آبائی قصبہ کرمانشاہ ہے۔

مولف فرہنگِ معین (ڈاکٹر محمد معین) کہتے ہیں:

"از جوانی علاوہ بر تحصیل زبان و ادب فارسی، بہ زبان و ادب فرانسوی آشنایی یافت۔ سپس با زبان و ادبیاتِ عربی، انگلیسی و پہلوی آشنا شد و مطالعاتِ خود را تا پایان عمر ادامہ داد" (9)۔

آپ تہران یونیورسٹی میں تاریخِ اسلام کے صدر شعبہ تھے۔ استاد رشید یاسمی نے علمی دنیا میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور بہت سا تحقیقی کام یادگار چھوڑا:

احوال و آثار ابن یمین

نصایحِ فردوسی

اندرز نامہ اسدی طوسی

مقدمہ بر دوبیتی ھای باباطاہر

منتخباتِ اشعار

تاریخ ملل و نحل

ادبیات معاصر

آیین نگارش

تصحیح وتحشیہ دیوان مسعود سعد سلمان

احوال وآثار سلمان ساوجی

دیوان اشعار سلمان ساوجی (10)

4۔ استاد بدیع الزمان فروزانفر (1276۔۔۔ 1349ش) جلیل ضیاء ملقب بہ بدیع الزمان صوبہ خراسان کے ایک گاؤں کویری میں پیدا ہوئے۔جوانی کے آغاز میں ہی مشہد مقدس چلے آئے اور یہاں پر دینی و مذہبی و عرفانی علوم حاصل کیے۔ 1303ش تہران آگئے اور پھر تمام عمر تحقیق و تدریس میں یہیں گزار دی۔آپ بہت بڑے استاد تصوف اور تاریخ ادبیات فارسی تہران یونیورسٹی میں تھے۔آپ نے تحصیلات علم کے لیے بڑے بڑے سفر کیے۔ملکی وغیر ملکی سفر سے بہت کچھ سیکھا ڈاکٹر ھرمز رحیمیان کے بقول:

"پژوهش های استاد فروزانفر زبان زد خاص و عام است و شاگردانی که هر یک از آنها در شمار استادان بی بدیل و محققان بی نظیرِ عرصه زبان و ادبیات فارسی سال های ما محسوب می شوند، تربیت یافتگانِ حلقه درس آن استاد اند۔" (11)

استاد بدیع الزمان فروزانفر نے بہت ہی اہم تحقیقی کام یادگار چھوڑا:

سخن وسخنوران (2 جلد)

منتخبات ادبیات فارسی

رسالہ در احوال مولانا جلال الدین

تاریخ ادبیات ایران

خلاصہ مثنوی

مآخذ قصص وتمثیلاتِ مثنوی

احادیث مثنوی

تصحیح دیوان شمس تبریزی

احوال و تحلیل آثارِ فرید الدین عطار نیشاپوری

شرح مثنوی شریف (3 جلد)

مناقب اوحدالدین حامد کرمانی (12)

5۔ استاد جلال ادین ھمایی (1278۔۔۔ 1359 ش) ایران کے شہر اصفہان میں پیدا ہوئے اور وہیں سے دینی و مذہبی علوم حاصل کیے۔ بڑے بڑے معروف اساتذہ سے کسب فیض کیا۔فن شعر کی طرف بھی ان کا بہت زیادہ میلان تھا۔ھمایی 1307 ش میں تہران آگئے اور وہاں پر علمی و ادبی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ کچھ عرصہ تبریز بھی رہے. بہت عرصہ تہران یونیورسٹی میں تدریس کرتے رہے۔وہاں استاد ھمایی کی بےشمار خدمات ہیں (13). بہت زیادہ آثار چھوڑے ہیں، جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

غزالی نامہ

تصحیح نصیحۃ الملوک غزالی

تصحیح مثنوی ولدنامہ

تصحیح التفہیم البیرونی

فنون بلاغت وصناعات ادبی

دستورزبان فارسی (پنج استاد) کو طالب علمی زمانہ میں پڑھنا شروع کیا تھا اور اسی دور میں دل میں ایک خواہش تھی کہ فارسی زبان و ادب سے محبت کرنے والوں کے لیے اس گرامر کا سلیس اور رواں اردو ترجمہ کروں۔ بارہویں جماعت میں فارسی اختیاری پڑھی ،تو فارسی ادب پڑھنے کا جنون ہوگیا۔اسی شوق میں دور دراز سے

دواوین اور فارسی کتب منگوائیں،کبھی اساتذہ کے اشعار پڑھتا اور یاد کرتا۔اسی سے ذوق کو جلا ملتی۔والد گرامی ایک بار اپنے کسی کام سے کوئٹہ گئے تو ان سے بھی کچھ کتب منگوائیں:

اسرار التوحید،دیوان کبیر اور مثنوی ہفت اورنگ کے ساتھ دستور زبان فارسی (پنج استاد) بھی خریدنے کی گزارش کی۔گرامر کی یہ کتاب دیکھ کر بڑا متاثر ہوا اور اسے بار بار پڑھا۔دستور فارسی کی یہ کتاب ایران میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔یعنی قواعد فارسی سیکھنے کے لیے ایرانی طلبہ بھی یہی دستور پڑھتے ہیں۔ پاکستانی طلبہ کو پڑھانے کے لیے اردو ترجمہ کرنا لازمی سمجھا اور ایم فل فارسی میں مذکورہ دستور فارسی کا ترجمہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔یہ کام میں نے صدر شعبہ پروفیسر ڈاکٹر غلام معین الدین نظامی صاحب کی زیر نگرانی بہ احسن طور مکمل کیا۔اب اس کی اشاعت کرنے کے لیے اسے آسان کر دیا ہے۔طلبہ کی سہولت کے لیے گرامر کا اردو ترجمہ کیا اور تعلیقات بھی لکھی ہیں۔اور آخر پر تمام اسباق کی تمارین دے دی گئیں ہیں تا کہ فارسی کے طالب علموں کے لیے آسان اور دلچسپ رہے۔گرامر ایک سنجیدہ موضوع ہے۔گرامر کے اصول،مسلسل نہ پڑھیں تو بھول جاتے ہیں۔اشعار کی صورت میں بھی گرامر مدارس میں سکھائی جاتی تھی کہ طلبہ کو گرامر کے اصول یاد رہیں۔اس کی مثال درج ذیل ہے مثلاً:

بتاؤں ماضی کی تجھ کو قسمیں کہ چھے ہیں گنتی میں جان پایا
ہے پہلے مطلق جو" نون" مصدر کو حذف کر ڈالو بے محابا

قریب جو پاس کی ہو گزری ہے اس کے آخر میں است ظاہر
بعید گزری ہے مدت کی بود ہوتا ہے اس کا آخر

ہے احتمالی کہ جس میں شک ہو نشان اس کا ہے لفظ باشد

تمام ہے پانچویں چنانچہ زون سے کوئی بنائے می زد

چھٹی تمنائی جس کے گردان کاھم تین صیغے آئے

لگائے مطلق میں یائے مجہول جو تمنائی کو بنائے

مختلف اوزان کی مثالیں موجود ہیں:

گرچہ مستقبل ہے ماضی کے خلاف پر بنا ماضی سے ہے بے اختلاف

صیغہ ماضی پہ تو خواہد لگا جس طرح سے خواہد آمد آوے گا

اسی طرح یہ بھی ملاحظہ کریں:

لفظ" می" لاؤ گر مضارع پر حال بن جائے اے کرم گستر

مضارع کی گر پوچھتے ہو علامت ہے دال اس کے آخر میں حضرت سلامت

اور اس دال کے پہلے دائم زبر ہے گرے دال تو امر اے خوش سیر ہے

اور اس امر پر باء زائد لگا یہ دستور ہے اس میں کچھ شک نہ لا

گرامر کی شعروں میں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں بلکہ پوری گرامر ہی اشعار میں مل جاتی ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ طلبہ کو گرامر یاد رہتی ہے۔ اسی لیے مدارس میں اساتذہ مار پیٹ کر بھی طلبہ کو اشعار یاد کرواتے تھے۔ آخر پر میں اپنے محسن و مونس استاد، پروفیسر ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب کی محبت کا بڑا احسان مند ہوں جنھوں نے میری اس کاوش پر

خوب داد دی اور ایک

بڑا جامع تبصرہ بھی لکھ دیا۔

حوالہ جات

1۔ شمیسا، سیروس، پیش گفتار دستور زبان فارسی، تہران، انتشارات فردوس، 1373ش، ص 11۔

2۔ ہمانجا۔

3۔ ہمانجا۔

4۔ محمد معین، دکتر، فرہنگ فارسی، تہران، انتشارات امیر کبیر، ج 6، 1375ء، ص 1456۔

5۔ ہمانجا۔ و نیز رجوع شود بہ:

(الف) ۔ افشار، ایرج، نثر فارسی معاصر، تہران، 1330۔

(ب) ۔ برقعی، سید محمد باقر، سخن وران نامی معاصر، ج 3، تہران، 1336۔

(ج) ۔ برقعی، سید محمد باقر، میرزا عبدالعظیم خان قریب مجلہ یغما، تہران، سال ہیجدہم، شمارہ 1، افروردین 1344۔

6۔ گلبن، محمد، یادگار بہار، تہران، 1350ش، ص پنج۔ سیزدہ۔

7۔ محمد معین، دکتر، فرہنگ فارسی، تہران، ج 5، 1375ش، ص 300 – 301

8۔ محمد ریاض و صدیق شبلی، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور، سنگ میل، 1996م، ص 132 – 133

9۔ محمد معین، دکتر فرہنگ فارسی، تہران، 6، 1375ش، ص 4۔ 2323۔

10۔ نیز نک:

(الف) ۔ افشار، ایرج، نثر فارسی معاصر، تہران، 1330۔

(ب) ۔ برقعی، سید محمد باقر، سخن وران نامی معاصر، ج 1، تہران، 1329۔

(ج) ۔ خلخالی، سید عبدالحمید، تذکرہ شعرای معاصر ایران، ج 1، تہران، 1333۔

(د)۔ریاحی،محمدامین،مقدمہ بردیوان اشعار رشید یاسمی،تہران،1336۔

(س)۔نوری زادہ،علی،شعرای معاصر ایران،تہران،1328۔

11۔ ہرمز رحیمیان،دکتر،ادبیات معاصر (نثر) ادوار نثر فارسی از مشروطیت تا سقوط سلطنت،تہران،1380ش،ص 4۔123۔

12۔برای آگاہی بیشتری رجوع شود بہ:

(الف)۔افشار،ایرج،" درگذشت فروزانفر"،مجلہ راہنمای کتاب،تہران،سال 13،شمارہ 3/4

(ب)۔زرین کوب،عبدالحسین،" با کہ می توان از معنویات ادب فارسی صحبت کرد" ؟،روزنامہ اطلاعات،تہران، یک شنبہ ، 2خرداد 1335۔

(ج)۔سرشک،م،" درگذشت فروزانفر"،مجلہ سخن،تہران،دورہ بستیم،شمارہ 1،خرداد،1349۔

(د)۔محجوب،محمدجعفر،"غم نامہ درسوک استاد فروزانفر" مجلہ فردوسی،تہران،دوشنبہ، 21اردی بہشت 1349۔

(س)۔محجوب،محمدجعفر،" بدیع الزمان فروزانفر" راہنمائی کتاب،تہران، سال 4،شمارہ 7،مہر 1340۔

13۔ہرمز رحیمیان،دکتر،ادبیات معاصر (نثر) ادوار نثر فارسی :از مشروطیت تا سقوط سلطنت،ص 125۔

***

حضرت غلام دستگیر القادری ناشادؒ کے فارسی مجموعہ کلام ''پیر مغان'' کا موضوعاتی جائزہ

* ڈاکٹر اقصیٰ ساجد   ** ڈاکٹر رضوانہ خالق

Subjective analysis of Peer - e - Mughan by Ghulam Dastageer Nashad

Ghulam Dastageer was a great scholar,sufi and a prominent poet of twentieth centuary.he belonged to the family of Hazrat Sultan Bahoo.he participated in Kashmir war ,in this regard Govt of Azad Kashmir gave him the title of Fakhar -e- Kashmir.He had great command in Persian,Arabic,Urdu, English,Sraiki,Hindi and Pashto.His book of persian poetry got published under the title of Peer-e- Mughan by Islamia press Quetta in 1400 AD.In this article introduction of his above mentioned book and subjective analysis of his poetry is being presented.

Keywords: Ghulam Dastageer,**Peer - e - Mughan**,Persian

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

خلاصہ:

غلام دستگیر القادری ناشاد بیسویں صدی کے ایک بلند پایہ عالم،صوفی صافی اور قادرالکلام شاعر تھے۔ان کا تعلق حضرت سلطان باہوؒ کے خاندان سے تھا۔انہوں نے جنگ کشمیر میں شرکت کی اور اسی وجہ سے آزاد کشمیر کی حکومت نے ان کو"فخر کشمیر" کے لقب سے نوازا۔وہ عربی،اردو،انگریزی،پنجابی،سرائیکی،سندھی اور پشتو زبانوں کے علاوہ فارسی زبان پر بھی کامل عبور رکھتے تھے۔ان کا فارسی مجموعہ کلام "پیر مغان" کے نام سے ۱۹۸۰ء میں اسلامیہ پریس کوئٹہ سے شائع ہو چکا ہے۔اس مقالہ میں ان کے مذکورہ مجموعہءکلام کا تعارف اور موضوعاتی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ:

دستگیر القادری ناشاد،فخر کشمیر،پیر مغان،فارسی کلام،سلطان باہوؒ۔

غلام دستگیر القادری ناشاد بیسویں صدی کے عالی مرتبت صوفی اور عظیم شاعر تھے۔ان کی ولادت پرانا دربار حضرت سلطان باہوؒ کے قریب چاہ سمندری کے مقام پر ۱۴ نومبر ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔(۱)والد محترم کا نام محمد نواز تھا۔ابتدائی تعلیم گورنمنٹ سکول ملتان سے حاصل کی۔بعد میں راولپنڈی میں درس نظامی کی تکمیل کی اور فقیر محمد مشتاق جیسے قابل استاد سے کسب فیض کیا۔وہ عربی،اردو،انگریزی،پنجابی،سرائیکی،سندھی،پشتو،بلوچی اور پوٹھوہاری زبانوں سے آشنا تھے۔وہ فارسی اور اردو کے قادرالکلام شاعر تھے۔فارسی کے بہت سے معروف شعراء مثلاً حافظ شیرازی،فریدالدین عطار ،رومی،سعدی،عمر خیام،بابا طاہر،نظیری نیشاپوری،امیر خسرو،خاقانی،قاآنی کے علاوہ حضرت غوث اعظمؒ اور حضرت سلطان باہوؒ کے کلام سے بہت متاثر تھے۔ان کا بیشتر کلام دوران سفر تخلیق ہوا(۲)بقول پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی:

> "حضرت صاحب اعلیٰ درجہ کا ذوق شعر و ادب رکھتے تھے۔دیوان حافظ،مثنوی رومی،دیوان غوث اعظمؒ وکلام عطار کو بہت پسند فرماتے اور کلام اقبال کو بہت اہمیت دیتے تھے۔حضرت صاحب نے فارسی

اور اردو میں صوفیانہ رموز سے بھرپور عاشقانہ اشعار سینکڑوں کی تعداد میں لکھے ۔اکثر و بیشتر سفر میں رہتے ،شعر لکھنے کا موقع انہیں بالعموم کسی سفر کے دوران ،گھوڑے ،موٹر یا جہاز پر میسر آتا اور فرماتے تھے کہ سفر کے دوران جم غفیر میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہوں اور شعر کہتا ہوں ۔" (۳)

ناشاد تین مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے سرفراز ہوئے دو بار بغداد اور کربلا بھی تشریف لے گئے ۔(۴) قیام پاکستان کے بعد آزاد کشمیر کی جنگ ۱۹۴۷ ۔۱۹۴۹ء میں انہوں نے ایک مجاہد کی حیثیت سے بے لوث خدمات سرانجام دیں اور حکومت آزاد کشمیر نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں "فخر کشمیر" کا خطاب عطا کیا۔ (۵)

غلام دستگیر ناشاد نے ۸ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ / ۱۴ دسمبر ۱۹۸۶ء میں وفات پائی ۔انہیں والد بزرگوار حضرت سلطان محمد نوازؒ اور جد عالی حضرت سلطان نور محمدؒ کی خانقاہ مبارک واقع چاہ سمندری نزد پرانا دربار حضرت سلطان باھوؒ میں سپرد خاک کیا گیا ۔(۶)

ناشاد کی تصنیفات اور تراجم درج ذیل ہیں ۔

۱۔ اسرار الٰہیہ : یہ حضور غوث اعظمؒ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی الہامی و عرفانی عربی تصنیفات لطیف "الرسالۃ الغوثیہ" کا سلیس اردو ترجمہ ہے ۔یہ کتاب حضرت غلام دستگیر اکادمی (پاکستان) دربار حضرت سلطان باھوؒ جنگ نے پہلی بار ۱۹۸۹ء میں زیور طباعت سے آراستہ کی اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ۔(۷)

۲۔ مثنوی روحی : انہوں نے حضرت سلطان باھوؒ کے رسالہ روحی کا منظوم فارسی ترجمہ "مثنوی روحی" ۱۹۳۸ء میں مکمل کیا ۔یہ مثنوی حضرت غلام دستگیر اکادمی پاکستان نے ۱۹۹۱ء میں شایع کی ۔جس میں مثنوی روحی کا اصل متن اور ڈاکٹر سلطان الطاف علی کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے ۔(۸)

۳۔ تبسم غم: یہ ان کے ضخیم اردو کلام سے ایک انتخاب ہے جس میں حمدیہ و نعتیہ کلام کے علاوہ غزلیات اور نظمیں بھی شامل ہیں۔

۴۔ زلف پریشان: منظومات کا مجموعہ۔

۵۔ سوز وساز: قطعات اور رباعیات کا مجموعہ۔

۶۔ شب حیات: غزلیات کا مکمل مجموعہ۔

۷۔ سوانح حیات پیر آف وانا: پیر صاحب السید یوسف محمود فیض اللہ گیلانی بغدادیؒ کی سوانح حیات، کارہائے نمایاں اور افکار و تعلیمات پر مشتمل ایک ضخیم دستاویز ہے۔

۸۔ سفرنامہ بغداد ۱۹۵۷ء: میں پیر صاحب آف وانا کے ساتھ کئے گئے پہلے سفر عراق کی روداد ہے۔

۹۔ مکتوبات: ان کے اعزاوا قارب، مشائخ، علماء، دانشوران، مریدین، عقیدتمندان اور حکام کے نام اہم قلمی دستاویزات ہیں۔

۱۰۔ روز ناچے: آپ کی روزانہ کی مصروفیات اور واقعات پر مشتمل اہم خودنوشت ہے۔

۱۱۔ مثنوی ناشاد: فارسی غیر مطبوعہ۔

۱۲۔ اظہار حقیقت: غیر مطبوعہ۔ سیدنا عبدالرزاق گیلانی ابن سیدنا عبدالقادر جیلانی غوث الاعظمؒ کی اولاد پر ذمہ دارانہ یادداشت ہے۔(۹)

اس کے علاوہ پشتو زبان میں بھی کچھ منظوم کلام محفوظ ہے۔

پیر مغان:

غلام دستگیر القادری ناشاد کی فارسی شاعری کا مجموعہ ''پیر مغان'' کے نام سے ۱۹۷۹ء میں اسلامیہ پریس کوئٹہ سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ کلام غزلیات، منظومات، قطعات، رباعیات اور ترجیع بند پر مشتمل ہے۔ ان کی شاعری کا بنیادی

موضوع عرفان وتصوف ہے۔اس کے علاوہ حمد ونعت،مناقب اہل بیت واولیائے کرام،دعائیہ،عشقیہ،اخلاقی اوررندانہ مضامین بھی جا بجا دکھائی دیتے ہیں جو بیشتر سبک عراقی کے پیرائے میں بیان ہوئے ہیں مگر بعض مقامات پر سبک ہندی کی جانب بھی مایل دکھائی دیتے ہیں۔ان کے کلام کی نمایاں ترین خوبی وفور اخلاص ہے۔جو اسے مزید پر تاثیر بناتا ہے۔ان کی شاعری کے بارے میں آغا صادق حسین فرماتے ہیں۔

''ناشاد کی غزلوں،قطعوں اور رباعیوں میں گل وبلبل کے رسمی فسانے نہیں بلکہ تصوف وحکمت اور معرفت و حقیقت کے جواہر پارے ہیں۔''(۱۰)

عشق رسول ﷺ ان کے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے۔ان کے بقول ہر درد کی دوا حبیب خدا ﷺ کی ایک نگاہ میں پوشیدہ ہے۔زندگی کے تمام مصائب اور آلام سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ بارگاہ مصطفیٰؐ میں حاضر ہو کر استمداد کیا جائے۔ ۱۹۶۳ء میں روضہء رسول ﷺ پر حاضری کے دوران کہے گئے نعتیہ اشعار ان کے خلوص و دلی جذبات کی عکاسی بہت عمدگی سے کرتے ہیں۔

بر آمد از دلم فریاد و آهی   نگاهی یا رسول الله نگاهی

بگرداب حوادث در فتادم   پناهی یا حبیب الله پناهی

به درگاهت رسیدم یا محمد   امید عفو دارم از گناهی

نگاه پاک و سوز قلب خواهم   کزین خوشتر نیامد در نگاهی (۱۱)

ترجمہ:

☆ میرے دل سے آہ وفریاد نکلی۔ یارسول اللہ ﷺ ایک نظر ڈالیے۔

☆ میں حوادث زمانہ کے بھنور میں پھنس گیا ہوں۔اے خدا کے حبیب ﷺ پناہ چاہیے۔

☆ اے محمد ﷺ میں آپؐ کی درگاہ پر آن پہنچا ہوں۔گناہوں پر معافی کی امید رکھتا ہوں۔

☆ میں پاکیزہ نظر اور سوز قلب کا طلبگار ہوں کہ اس سے زیادہ اچھی بات میری نظر میں کوئی نہیں ۔

ان کا قلب عشق ذات پیغمبر ﷺ سے معمور ہے ۔اس پاک ہستی پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے آرزومند ہیں ۔اور اسی کو سعادت ابدی تصور کرتے ہیں ۔اور سب امیدیں اور توقعات اسی ذات سے وابستہ ہیں ۔

چشمم فدای خاک ره مرغزار تو قلبم نثار ذره صحرای زار تو

بی برگم از جفای خزان و تب سموم دارم امید لطف ز لطف بهار تو(۱۲)

ترجمہ:

☆ میری آنکھیں آپ کے در اقدس کی راہ کی خاک پر فدا ہیں ۔میرا دل آپ کے صحرا کے ذرے پر نثار ہے ۔

☆ میں خزاں کے ستم اور لو کی تپش کے سبب بے برگ و بار ہوں ۔میں آپ کی بہار سے مہربانی کی امید رکھتا ہوں ۔

ان کے کلام میں تصوف و عرفان کی چاشنی تاثیر کلام میں اضافہ کرتی ہے ۔اہل بیت ،اولیائے کرام اور مشائخ عظام کی شان میں کہے گئے مناقب ان کے صوفیانہ پس منظر اور ان عظیم ہستیوں سے والہانہ محبت و عقیدت کے عکاس ہیں ۔خود اپنے مجموعہ کلام ''پیر مغان'' کے پیش لفظ میں اپنے عقاید کی بابت فرمایا ہے ۔

''در سلسلہ قادریہ منسلک ہستم ۔مرشد اعلی من شاہ نجف است و پیر من شاہ جیلان و خاک پای سبطین و حسنین ہستم ۔باین نسبت لامحالہ یاد دجلہ و عراق در شعر من ھویدا می شود و یاد کربلا از رشک قلم می ریزد'' ۔(۱۳)

مرشد کی عظمت و شان بہت والہانہ انداز میں بیان کرتے ہیں ۔انہیں دستگیر گمراھان ،شاہ شاہان جہان ،فخر فقر مصطفی اور قاسم نور ہدیٰ جیسے القابات سے یاد فرماتے ہیں :

غوث الاعظم دستگیر گمرهان غوث الاعظم شاه شاهان جهان

غوث الاعظم مستغیثان را عصا غوث الاعظم سروران را مقتدا

غوث الاعظم فخر فقر مصطفی　　　غوث الاعظم قاسم نور ھدی(۱۴)

ترجمہ:

☆ غوث الاعظمؒ گمراہوں کی مدد فرمانے والے ہیں۔غوث الاعظمؒ اس دنیا کے بادشاہوں کے بادشاہ ہیں

☆ غوث الاعظمؒ مدد طلب کرنے والوں کے لیے عصا کی مانند ہیں۔غوث الاعظمؒ اولیاء کے پیشواء ہیں۔

☆ غوث الاعظمؒ فقر مصطفی کے لیے باعث فخر ہیں۔غوث الاعظمؒ نور ہدایت تقسیم کرنے والے ہیں۔

۱۹۵۷ء میں بغداد میں روضہء غوث پاک پر حاضری کا شرف حاصل ہوا تو دلی جذبات عجز و انکسار کے پیکر میں ڈھل کر یوں ادا ہوئے:

بر در اطھر شاہ آمدہ ام　　　پر ز عصیان و گناہ آمدہ ام

نیست جز تو پناہ گاہ دگر　　　بر درت بھر پناہ آمدہ ام

راندہء دھر و پریشان یا غوث　　　خستہ و روی سیاہ آمدہ ام (۱۵)

ترجمہ:

☆ میں شاہ کے پاکیزہ در پر حاضر ہوا ہوں۔گناہوں سے لبریز ہو کر آیا ہوں۔

☆ آپ کے علاوہ میری کوئی اور پناہ گاہ نہیں میں آپ کے در پر پناہ کے لیے آیا ہوں۔

☆ اے غوثؒ میں پریشان اور زمانے کا ٹھکرایا ہوا ہوں۔روئے سیاہ لے کر تھکا ہارا آیا ہوں۔

حضرت ناشاد کی شاعری میں اکثر مقامات پر اولیائے عظام اور بزرگان دین کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔جب انہیں سید علی ہجویریؒ کے دربار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

پختگی عشق جانان از تو خواھم گنج بخش　　　از فریب آرزویم و پناھم گنج بخش (۱۶)

حضرت دستگیر ناشاد کا سلسلہ نسب نویں پشت میں حضرت سلطان باہوؒ سے جا ملتا ہے۔انہیں جو مقام و مرتبہ نصیب ہوا اسے

اسی نسبت کا فیض جانتے ہیں۔

دو چشمم مست بکشادہ چو آھو مست در بیشہ　　　　شراب مست مارا داد در دربار سلطانی

عجب گیسو مژ گانش و ھم لب ھائی با شکر　　　　کشادہ گیسو و بستہ مرا دیدار سلطانی(۱۷)

ترجمہ:

☆　اس نے دومست آنکھیں کھولیں جیسے جنگل میں کوئی ہرن مست ہو۔ ہمیں بادشاہ کے دربار سے مست کرنے والی شراب عطا کی۔

☆　اس کے مژگان، گیسوؤں اور اس کے شکر سے پر لبوں نے اور اس کے کھلے ہوئے گیسوؤں نے بھی مجھے اس کے دیدار پر مجبور کر دیا۔

عشق کی دو صورتیں ہیں: مجازی اور حقیقی۔ وہ اس عالم کو فانی سمجھتے ہیں جس کی بنیاد حقیقت پر نہیں بلکہ مجاز پر ہے۔ خود ''پیر مغان'' کے دیباچے میں رقمطراز ہیں۔

''جملہ کائنات عالم را مجازی می شمرم زیرا کہ این عالم بی بقا است و بنیادش بہ حقیقت نیست بلکہ بہ مجاز است۔ بجز ذات حقیقی جل شانہٗ عشق مرشد و عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جملہ مجاز اند۔ اگر چہ رھنمایی بہ حقیقت می کنند۔''(۱۸)

ان کے کلام کی بنیاد ہی خلوص اور جذبہ مہر و وفا پر ہے۔ عاشقانہ مضامین بہت پر تاثیر انداز میں بیان کیے ہیں ۔بیشتر مقامات پر اس میں بیان شدہ عشق اور اس سے متعلقہ لوازم حقیقی رنگ میں ہیں۔ جبکہ کہیں کہیں ان میں مجازی رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ عشق ان کے لیے تطہیر ذات کا سامان مہیا کرتا ہے۔ جو دل سے اخلاقی معایب کو دور کر دیتا ہے ۔مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عشق خوبان داداز خود دولت گنجینہ را　　　　دور کردہ او ز دل اندوہ ھا و کینہ را(۱۹)

محبوب کے حسن و جمال کی تعریف پرخلوص انداز میں یوں کرتے ہیں۔

نرگس نیم خواب تو راحت جان من ببرد　　گیسوی تابدار توخون وجود من فشرد

روی لطیف تو مرا روح روان و جان فزاست　　مهرو محبتت به دل ذوق الم زیاد کرد (۲۰)

ترجمہ:

☆ تیری نیم خواب آنکھوں نے مجھ سے جان کا سکون لے لیا۔ تیری بل کھاتی زلفوں نے میرے وجود کا خون نچوڑ دیا۔

☆ تیرا لطیف چہرہ میرے لیے روح ورواں اور جان فزا ہے۔ تیری محبت نے میرے دل میں سوز و درد کو زیادہ کر دیا ہے۔

حافظ شیرازی کی تقلید میں واعظوں کی پردہ دری بہت عمدہ طرز میں کی ہے وہیں ان کا فلسفہء رندی و سرمستی بھی ایک اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

در میکده فرو شد هوش و خرد بدین سان　　از امتیاز رفته دیر و کنشت مارا

ای ناصحان من از خود رندی نه در گرفتم　　معذورم او نوشته این سرنوشت مارا (۲۱)

غلام دستگیر ناشاد خطہ ایران اور اہلِ ایران میں گہری کشش محسوس کرتے ہیں اور سرزمین ایران سے والہانہ لگاؤ کا اظہار ”در منقبت ایران“ میں بہت عمدگی سے کرتے ہیں۔ ایران کو رحمت و عرفان کا مخزن اور رب کی وحدانیت کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ اہل بیت سے محبت اس خطے کی سرشت میں شامل ہے۔ ایقان، صداقت، اخوت اور سخاوت جیسے اخلاقی محاسن ایرانیوں کے خاص اوصاف ہیں۔

معدن رحمت و عرفان ایران　　چشمه وحدت یزدان ایران

در اخوت قدمی پیش نهد　　مهر افزای مسلمان ایران

حب حسنین درونش جاگیر　　واله سید مردان ایران

کاشته حب علی در قلبش　　خرمن حاصل ایمان ایران

صدق و ایقان و سخاوت دارد جوهر جلوه جانان ایران(۲۲)

ایران اور اہل ایران سے محبت ان کی شاعری کا خاصہ ہیں۔ایران کی خوشحالی کے لیے دعا گو ہیں اور اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

هاتفم گفت بگو از دشمن ایزدت باد نگهبان ایران

پاک و ایران به تلطف با هم بادا گلزار و گلستان ایران(۲۳)

ناشاد فارسی شاعری کی کلاسیکی روایت سے گہری آشنائی رکھتے ہیں۔فارسی کے معروف شعرا حافظ،نظیری، جامی اور اقبال سے بہت متاثر ہیں۔مذکورہ شعرا کی پیروی میں بہت سی غزلیات کہیں۔حافظ کی پیروی میں کہی جانے والی بیشتر غزلیات رندانہ اور عاشقانہ مضامین پر مشتمل ہیں۔مجموعی طور پر حضرت ناشاد کی فارسی شاعری میں صوفیانہ رنگ غالب ہے۔تصوف کے اسرار و رموز کے اظہار کے لیے عشق حقیقی مختلف پیرایوں میں جلوہ نما ہے۔

حواشی:

۱۔ سلطان الطاف علی،سوانح حیات فخر کشمیر،ص ۴۱۔

۲۔ ظہور الدین احمد،ڈاکٹر،پاکستان میں فارسی ادب،ص ۷۰۔

۳۔ غلام دستگیر القادری ناشاد،پیر مغان،دیباچہ،ص د۔

۴۔ ظہور الدین احمد،ڈاکٹر،پاکستان میں فارسی ادب،ص ۷۰۔

۵۔ سلطان الطاف علی،سوانح حیات فخر کشمیر،ص ۸۷۔

۶۔ ایضاً،ص ۴۸۱۔ ۷۔ ایضاً،ص ۵۳۲۔

۸۔ ایضاً،ص ۵۳۶۔ ۹۔ سلطان ارشد القادری،سلطان العصر اور تحریک پاکستان،ص ص ۸۶۔۸۷۔

۱۰۔ غلام دستگیر القادری ناشاد،پیر مغان،ص ہ۔

۱۱۔ ایضاً،ص ۴۷۔ ۱۲۔ ایضاً،ص ۳۶۔

۱۳۔ ایضاً،ص ی۔ ۱۴۔ ایضاً،ص ۴۸۔

۱۵۔ ایضاً،ص ۲۴۔ ۱۶۔ ایضاً،ص ۶۲۔

۱۷۔ ایضاً،ص ۴۱۔ ۱۸۔ غلام دستگیر القادری ناشاد، پیر مغان، دیباچہ،ص ی۔

۱۹۔ ایضاً،ص ۲۔ ۲۰۔ ایضاً،ص ۱۲۔

۲۱۔ ایضاً،ص ۳۔ ۲۲۔ ایضاً،ص ۶۸۔

۲۳۔ ایضاً،ص ۶۸۔

کتابیات:

۱۔ سلطان ارشد القادری، سلطان العصر اور تحریک پاکستان۔ ناشاد پبلشرز دربار سلطان باھوؒ ضلع جھنگ، ۲۰۱۷ء۔

۲۔ سلطان الطاف علی، سوانح حیات فخر کشمیر پیر غلام دستگیر قادری، باھو پبلیکیشنز ضلع جھنگ۔ ۲۰۱۵ء۔

۳۔ ظہور الدین احمد، ڈاکٹر، پاکستان میں فارسی ادب، جلد ششم، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔

۴۔ غلام دستگیر القادری ناشاد، پیر مغان، چاپ خانہ اسلامیہ الیکٹر یک پریس، شارع اقبال کوئٹہ۔ ۱۴۰۰ھ۔

***

غزلیاتِ غالب میں "بحر خفیف" کا استعمال ،عروضی تناظر میں

*ضیاء الرحمان / ڈاکٹر محمد سلیم

Use of“Bahr e Khafeef” in Ghalib’s Odes(Ghazliyat(: Reference to the Prosodic Conception

Zia ul Rahman/ Dr. Muhammad Saleem

It is the appropriateness of a poetic verse that differentiates it from the prose. The science and/or art that are applied to find out the appropriateness and proper structure of a poetic work are called the science of poetic meter or“Ilm-e-Urooz”. Poets of Arabic and non-Arabic literature have written their poetic works based on the nineteen well-known“Salim Bahoor” and their“Zuhaaf Awzaan”.There are seven“Mufrad” while twelve“Murakkab Bahoor” out of these nineteen.

A frequently used“Bahr” amongst the“Murakkab Bahoor” is“Bahr-e-khafeef”. Though this“Bahr” is neither in use in its absolute form nor as “Bahr-e-Musamman”, yet its“Musaddas” pattern is in use in Urdu poetry; and

* پی ایچ ڈی سکالر اردو۔جامعہ صوابی **استاد شعبہ اردو، جامعہ صوابی

further under this“Musaddas” pattern the poets have written and practiced on about eight loosely-structured meters.

The poets of Urdu language have written in the prevailing meters of “Bahr-e-khafeef”, like: Faiz Ahmad Faiz, Ahmad Nadeem Qasimi, Ahmad Faraz, Qateel Shifayi, Mohsin Ihsan and some other poets have written nice“Ghazal” in this metrical structure after Partition of India.

There are about ten well-known“Ghazals” in“Deewan-e-Ghalib” that are in various meters under this“Bahr”.Ghalib has penned his poems in about six out of the mentioned prevailing eight meters. In this article, the figuration and structure of these“Ghazliyat” has been talked over.

Keywords: Ghalib,Salim Bahoor,poems,Ghazliyat

خلاصہ:

خلاصہ:اس مقالے کاموضوع ”غزلیات غالب میں بحرخفیف کااستعمال،عروضی تناظرمیں” ہے، مقالہ کے پہلے حصہ میں بحرخفیف اوراس کے مروجہ اوزان پربحث ہوئی ہے جبکہ دوسرے حصے میں غزلیات غالب کوموضوع بنایا گیاہےاوردیوانِ غالب میں سےان غزلیات کاانتخاب کیا گیاجواس بحرکے مختلف اوزان میں ہیں۔

مقالہ ترتیب دینے کے لیے سب سے پہلے ایک مرکب کثیرالاستعمال بحر”بحرخفیف” کےمختلف مروّجہ اوزان کا بغورمطالعہ کیا گیااورپھر غزلیاتِ غالب میں سےان بحورکوبطورمثال پیش کیا گیاہے جواس بحرکے مختلف اوزان میں ہیں۔

کلیدی الفاظ: اردو، بحر، غزل، غالب، خفیف، وزن، ارکان افاعیل۔

لفظ اور جذبہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے، یہ الفاظ ہی کا کمال ہے کہ خاموش جذبوں کو زبان مل جاتی ہے اورآب رِواں کی مانند خس وخاشاک اپنے ساتھ بہالیتی ہے، ایک شاعر جب اپنے نفیس جذبات کو شعر کے قالب میں پیش کرتا ہے تو قاری کے سامنے تو بنا بنایا شعر پیش کیا جاتا ہے اور قاری کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ان بکھرے موتیوں جیسے لفظوں کو اکھٹا رکے شعر کی صورت میں پیش کرنے کے لیے شاعر کو کن دشوار رستوں سے گزرنا پڑتا ہے،کہیں ماتراؤں کا شمار کرنا تو کہیں بسرام کا خیال رکھنا کہیں صدر اور ابتدا پر بار بار غور کرنا تو کبھی حشو،عروض و ضرب پر مغز کھپائی کرنا،تبھی ایک تخلیق اس قابل ہوتی ہے کہ ایک شاعر قارئین سے داد وصول کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔پھر اگر کہیں دل سے بات نکلتی ہے تو سنتے ہی قاری پر اثر انداز بھی ہوتی ہے البتہ فطری اور فی البدیہہ گو شعراء اس سے مستثنیٰ ہیں۔

نظم ونثر میں بنیادی فرق موزونیت کا ہے،کسی غزل یا نظم کی موزونیت جانچنے کے لیے علم عِروض کے پیمانوں سے کام لیا جاتا ہے ،عرب وعجم میں جو معروف اور مروّج بحریں ہیں عروض کی کتابوں میں ان کی تعداد مختلف ہے لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ عرب وعجم نے انیس بحور کے مختلف زحاف اوزان میں شاعری کی ہے، اس مقالہ میں علمِ عروض، اس کا پس منظر اور بنیادی باتیں زیرِغور نہیں بلکہ صرف ایک بحر "بحر خفیف" کو موضوع ٹھہرایا گیاہے،اور پھر اس بحر کے جو مروجّہ اوزان ہیں ان کی تناظر میں اس بحر میں غزلیات غالب کا عروضی تجزیہ مقصود ہے۔

مروجّہ مذکورہ بحور میں سات بحریں مفرد جبکہ بارہ مرکب ہیں لیکن ان بحور میں بہت کم بحریں ایسی ہیں جو شعرائے اردو نے استعمال میں لائی ہیں،ان بحور میں بعض بحروں کا آہنگ تیز ہے جن میں الفاظ کا بہاؤ تیز دھارے کی مانند ہوتا ہے جبکہ بعض بحریں سست رو ہوتی ہیں اس لیے رفتہ رفتہ متروک ہوتی جارہی ہیں ۔

مروّجہ مرکب بحور میں ایک بحر" خفیف" ہے جو اردو کے کثیر الا استعمال بحور میں سے ہیں، اردو شاعری میں یہ سالم مستعمل نہیں اور نہ ہی مثمن مستعمل ہے بلکہ اردو میں اس بحر کی صرف مسدس صورت ہی مستعمل ہے اور وہ بھی سالم نہیں بلکہ اس بحر کے مختلف زحاف اوزان۔

بحر خفیف : یہ مرکب بحر جو دو ارکان فاعلاتن اور مس تفع لن کی تکرار سے بنی ہے، مثمن سالم وزن اس طرح ہے، فاعلاتن مس تفع لن فاعلاتن مس تفع لن، لیکن یہ وزن اردو کے مزاج کے مطابق نہیں، مسدس وزن اس طرح ہے، فاعلاتن مس تفع لن فاعلاتن، لیکن یہ وزن بھی سالم مستعمل نہیں سوائے عروضی تجربہ کے، اردو شاعری میں بالعموم مستعمل نہیں، لیکن اس بحر کے زحاف اوزان میں شعرائے اردو نے بہترین کلام نظم کیا اور عوام و خواص میں خاصی مقبولیت بھی حاصل کی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بحر مختصر ہے اس لیے اس میں روانی اور سلاست نسبتاً زیادہ ہے، اس بحر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں نجم الغنی رام پوری لکھتے ہیں۔

> "خفیف کے معانی ہلکے کے ہیں چنانچہ اس بحر کے سب ارکان ہلکے ہیں بہ سبب اس کے کہ دو سبب خفیف وتد مجموع کو گھیرے ہوئے ہیں، اس لیے اس بحر کا نام خفیف رکھا ہے، اس بحر کو متاخرین شعرائے فارسی اور شعرائے ریختہ نے سوائے مسدس مزاحف کے اور کسی طرح استعمال نہیں کیا اور تمام اجزا سالم مستعمل نہیں مگر صدر اور ابتدا سالم بھی استعمال میں آتے ہیں اور مخبون بھی، عروض و ضرب میں کبھی مخبون کبھی مخبون مسبغ، کبھی مخبون مقصور، کبھی مشعث مقصور جس کو مخبون مسکن مقصور بھی کہتے ہیں۔(1)

یہ بحر چونکہ سالم مستعمل نہیں تو زحاف اوزان لکھنے سے پہلے ان دو ارکان کے زحاف اور فروعات لکھنا بہتر ہے۔

فاعلاتن : یہ رمل کا بنیادی رکن ہے عروض کی کتابوں میں اس رکن کے زحاف کی تعداد مختلف ہے، کمال احمد صدیقی نے اپنی کتاب " عروض سب کے لیے" میں اس رکن کے چھبیس (26) زحاف ذکر کیے ہیں، اس طرح " ارمغانِ

عرض" میں کندن لال کندن نے اٹھارہ زحاف کاذکر کیا ہے ، صاحب "شعورِ عروض " نے آٹھ فروعات لکھے ہیں، لیکن صاحب بحرالفصاحت نے جن زحافات کاذکرکیا ہے ان کی مدد سے ایک جدول تیار کی گئی ہے بحرالفصاحت میں اس رکن "فاعلاتن" کے دس زحاف ہیں جو درج ذیل ہیں ۔

خبن، کف، تشعیث، قصر، شکل، حذف، بتر، ربع، جحف، تسبیع ۔

نمبر شمار	رکن سالم	نام زحاف	تبدیلی جو واقع ہوئی	حروف جوکم یازیادہ ہوئے	مزاحف	مزاحف کا نام
۱	فاعلاتن	خبن	پہلے سبب خفیف کا ساکن گرایا گیا	"فا" سے الف ساقط ہوا	فعِلاتن	مخبون
۲	فاعلاتن	کف	رکن سالم کاساتواں حرف ساقط ہوا	فاعلاتن سے "ن" ساقط ہوا	فاعلاتُ	مکفوف
۳	فاعلاتن	تشعیث	وتدمجموع کا دوسرا متحرک گرانا	"علا" میں سے ل ساقط کرنا پس فاعاتن رہ گیا۔	فعلاتن /مفعولن	مشعث
۴	فاعلاتن	قصر	رکنِ سالم کا آخری حرف گرانااور ماقبل ساکن کرنا	فاعلاتن سے "ن" گرانا۔	فاعلات	مقصور
۵	فاعلاتن	شکل	اجتماع خبن وکف	خبن سے فعِلاتن اور کف سے فعِلاتُ رہ گیا	فعِلا ت	مشکول

٦	فاعلاتن	حذف	آخرسبب خفیف گرانا	رکن سے" تن" گرا تو "فاعلا" بچا۔	فاعلن	محذوف
۷	فاعلاتن	بتر	اجتماع حذف وقطع ۔	حذف سے فاعلا بچا اور قطع سے الف گراتو" فاعل" بچا	فعلن	ابتر
۸	فاعلاتن	ربع	اجتماع خبن اور بتر	خبن سے فعِلاتن اوربتر سے آخری تین حروف گرے	فعل	مربوع
۹	فاعلاتن	جحف	مخبون رکن کا حصہ فاصلہ صغریٰ گرنا ۔	فعِلاتن سے "فعِلا" گرنا تو" تن" بچا۔	فع	مجحوف
۱۰	فاعلاتن	تسبیغ	آخری سبب خفیف میں ایک الف بڑھانا	تن میں ایک الف بڑھانا۔	فاعلاتان	مسبغ

زحافات" مس تفع لن" : سابقہ رکن فاعلاتن میں وتدمجموع درمیان میں واقع ہے یعنی دواسباب کے درمیان وتدمجموع آیاہے اور اس رکن میں وتدمفروق دواسباب کے درمیان ہے اس لیےان ارکان کے زحافات کاخیال رکھناضروری ہے،کمال احمدصدیقی نے " عروض سب کے لیے" میں اس رکن کے سات زحافات لکھے ہیں جن کے نام یہ ہیں،خبن (مفاعلن)،قصر(مفعولن)،شکل (مفاعل)، خبن وقصر(فعولن)،تسبیغ (مس تفع لان)،خبن وتسبیغ (مفاع لان)،کف(مستفعل)۔ان زحافات کی تفصیل عروض کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہےلیکن نجم الغنی رام پوری نے بحرالفصاحت میں اس رکن کے پانچ زحافات ظاہر کیے ہیں اوراسی کے مطابق یہاں ایک جدول تیارکیا گیا ہے جو درج ذیل ہے۔

رکن مس تفع لن کے زحاف بحر لفصاحت کے مطابق پانچ ہیں جو درج ذیل ہیں، خبن، قصر، شکل، تسبیع، کف۔

نمبر شمار	رکن سالم	نام زحاف	تبدیلی جو واقع ہوئی	حروف جو کم یا زیادہ ہوئے	مزاحف	مزاحف کا نام
۱	مس تفع لن	خبن	ساکن سبب خفیف جو رکن کے اول میں ہو گرانا۔	"مس" سے "س" گرانا، تو "مُتَفعِ لن" بچا	مفاعلن	مخبون
۲	مس تفع لن	قصر	حرفِ آخر سبب خفیف کا جو رکن کے آخر میں ہو گرنا اور ما قبل ساکن کرنا	"لن" سے "ن" ساقط ہوا اور "ل" ساکن ہوا تو "مس تفع ل" بچا	مفعولن	مقصور
۳	مس تفع لن	شکل	اجتماع خبن و کف	خبن سے مفاعلن ہو گیا اور کف سے ن گرا۔	مفاعلُ	مشکول
۴	مس تفع لن	تسبیع	آخری سبب خفیف کے ساکن سے پہلے الف بڑھانا،	"لن" میں الف بڑھانا تو مس تفع لان ہو گیا۔	مس تفع لان	مسبع
۵	مس تفع لن	کف	رکن سالم کا ساتواں حرف گرانا۔	"لن" میں ن گرا تو "مس تفع لُ" بچا	مستفعلُ	مکفوف

اردو شاعری میں بحر خیف کے مروّجہ اوزان: چونکہ اردو شاعری میں یہ بحر سالم مستعمل نہیں اور نہ ہی یہ بحر

مثمن ستعمل ہے اس لیے اردو میں اس بحر کی صرف مسدس صورت ہی مستعمل ہے لیکن وہ بھی سالم نہیں بلکہ زحاف شکل میں ، سالم آہنگ اس طرح ہے ، فاعلاتن مُس تَفعِ لن فاعلاتن ۔

اس بحر کی جو زحاف صورتیں اردو شاعری میں مستعمل ہیں وہ اس طرح ہے ۔ بحر خفیف مسدس سالم /مخبون مخبون محذوف/ مخبون محذوف مسکن/مخبون مقصور/مخبون مقصور مسکن ۔

فاعلاتن مفاعلن فعِلن/فعلن/فعِلا ن/فعلان ۔

ایک بات کا ذہن میں یاد رکھنا ضروری ہے کہ مسدس میں تین رکن ہوتے ہیں لہذا اس وزن میں جو وسطی رکن ہے" مس تفع لن" اس کا صرف ایک ہی زحاف مروّ ج ہے جو خبن ہے یعنی اس بنیادی وزن کے تقریباً آٹھ رعایتی اوزان ہیں جو قابل ذکر ہے اور پھر غزلیات غالب میں اس کی رنگا رنگی سے مثالیں بھی پیش کی جائیں گی لیکن جو دوسرا رکن ہے وسطی ہر جگہ صرف خبن یعنی " مفاعلن" ہی مستعمل ہے ۔

کمال احمد صدیقی اس وزن کے متعلق لکھتے ہیں ۔

> " اردو میں خفیف کا یہ آہنگ سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے، صدر اور ابتدا سالم اور مخبون دونوں کی اجازت ہے، اس طرح عروض/ ضرب مخبون مقصور فعِلا ن مخبون مقصور مسکن فعلان مخبون محذوف فعِلن اور مخبون محذوف مسکن فعلن چار طرح ہیں، اسی کے ساتھ پہلا رکن تسکین اوسط ہے فعلاتن یعنی مفعولن رکھا جاسکتا ہے بس یہ مفعولن آہنگ کو مختلف کر دیتا ہے ۔(2)

اردو شاعری میں اس بحر کے جو اوزان معروف ہیں انہیں" ارمغان عروض" میں اس طرح پیش کیا گیا ہے ۔

1۔ فاعلاتن مفاعلن فعِلن

2۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

3 فاعلاتن مفاعلن فعِلا ن

4 فاعلاتن مفاعلن فعلان

5 فعِلاتن مفاعلن فعِلن

6 فعِلاتن مفاعلن فعلن

7 فعِلاتن مفاعلن فعِلا ن

8 فعِلاتن مفاعلن فعلان ۔(3)

مندرجہ بالا آٹھ اوزان کا ایک ہی نظم یا غزل میں خلط جائز ہے اور کوئی عروضی پابندی نہیں لیکن شاعرانہ مہارت ضرور چاہتا ہے اور تقریباً تمام نامور شعراء نے خفیف کے ان اوزان میں کلام نظم کیا ہے آزادی کے بعد پاکستان میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، احمد فراز، قتیل شفائی، محسن احسان وغیرہ نے قابلِ ذکر کلام ان اوزان میں نظم کیا ہے بلکہ" زنداں نامہ" میں فیض نے اس بحر کا ایک آہنگ ایسا بھی استعمال میں لایا ہے جس میں بہت کم شعراء نے طبع آزمائی کی ہے، فیض کے ہم عصر شعراء ،قاسمی، فراز، قتیل، وغیرہ کسی نے اس بحر کے اس وزن کو استعمال میں نہیں لایا وہ آہنگ ہے۔ بحر خفیف مسدس سالم مخبون مجحوف ،فاعلاتن مفاعلن فع ۔رکن آخر جو مروجہ اوزان میں مخبون محذف/محذوف مسکن وغیرہ مستعمل ہیں یہاں ایک انوکھے انداز میں یعنی مجحوف لایا گیا ہے۔ جو عروضی تجربہ سے کم نہیں

فیض کی غزل جو اس بحر میں ہے درج ذیل ہے۔

بات بس سے نکل چلی ہے دل کی حالت سنبھل چلی ہے

اب جنوں حد سے بڑھ چلا ہے اب طبیعت بہل چلی ہے

اشک خوناب ہو چلے ہیں غم کی رنگت بدل چلی ہے (4)

فیض نے خفیف کے مروّجہ اوزان میں خوبصورت کلام نظم کیا ہے لیکن اس غزل کا جو آہنگ ہے یہ اردو

میں غیر مستعمل ہے لیکن فیض نے شاعرانہ کمال سے اس وزن میں بھی کلام نظم کیا ہے حالانکہ تقسیم ہند کے بعد غزل کے باب میں جن شعراء نے ہیئتی اور عروضی تجربے کیے ان میں قتیل شفائی نے بھی حصہ لیا اور آموختہ میں چھے غزلیں ایسی ہیں کہ غزل کی ساخت کو توڑ کر غزل کی صورت دینے کی کوشش کی گئی ہے اس کے علاوہ قتیل نے بعض ایسے نئے اوزان بھی تراشے ہیں کہ ان سے ان کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے اور ان کے ہم عصر شعراء نے ان اوزان میں شاعری نہیں کی لیکن پھر بھی بحر خفیف کے اس آہنگ میں قتیل کی غزل نہیں ملتی حالانکہ مروجّہ اوزان خفیف کے جتنے ہیں تقریباً ان کو شاعری میں برتا گیا ہے جس کی ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے کہ کس قدر انوکھے انداز میں تکرار لفظی سے غزل کی چاشنی بڑھائی ہے

توڑ کر خوابِ دلربا چپ چاپ---- جانے والا چلا گیا چپ چاپ۔(5)۔

فیض کی غزل کی تقطیع اس طرح ہے۔

فاعلاتن	مفاعلن	فع۔
بات بس سے	نکل چلی	ہے۔
دل کی حالت	سنبھل چلی	ہے۔

قتیل کی غزل کی بحر بھی خفیف ہے لیکن وزن مسدس سالم مخبون مخبون مقصور مسکن ہے،فاعلاتن مفاعلن فعلان۔

فاعلاتن	مفاعلن	فعلان۔
توڑ کر خوا	بِ دلربا	چپ چاپ
جانے والا	چلا گیا	چپ چاپ۔

غزلیاتِ غالب میں بحر خفیف کے مروّجہ اور معروف اوزان کی رنگارنگی۔

اردو زبان کو غالب کی شاعری پر ناز ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ غالب نے اردو شاعری کو عالمی ادب میں جگہ دی

ہے،غالب کی غزلیں ان کی زندگی میں مقبول عام ہو چکی تھیں اور پھر خصوصاً وہ غزلیں جو مختصر بحور میں تھیں زیادہ مقبول ہو چکی ہیں مختصر اوزان میں غالب نے کئی بحروں کا سہارا لیا ہے ہزج اور رمل کو بھی مسدس استعمال کیا گیا ہے لیکن جو چاشنی اور مزا بحر خفیف والی غزلیات میں ہیں ان کا مقابلہ دیگر غزلوں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ غالب کی وہ غزلیں جو بحر خفیف میں ہیں سراپا انتخاب بن چکی ہیں۔

دیوانِ غالب میں تقریباً دس غزلیں معروف ایسی ہیں جو اس بحر کے مختلف اوزان میں ہیں ان غزلیات کا عروضی مطالعہ زیرِ غور ہے، غالب کے ان غزلوں کے مطلعے درج ذیل ہیں۔

درد منتِ کش دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا (٦)

نہ گل نغمہ ہوں ، نہ پردہ ء ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز

وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب وہ روز و ماہ و سال کہاں

کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے سینہ جو یائے زخم ِ کاری ہے

پھر اس انداز سے بہار آئی کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

درد ہو دل میں تو دوا کیجئے دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجئے

غالب کی یہ دس معروف غزلیں ایسی ہیں جو خفیف کے مروّجہ اوزان میں ہیں اور تقریباً ہر غزل میں مختلف

اوزان کا خلط ملتا ہیں اگر چہ بنیادی وزن تمام غزلوں کا ایک نہیں لیکن رعایتی اوزان سے کلام میں خوبصورتی پیدا کی گئی ہے جس سے عروض پر شاعر کی گرفت اور قادر الکلامی معلوم ہوتی ہے۔

خفیف کے جو رعایتی اوزان ہیں ان کی روشنی میں غزلیات غالب کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے ۔

1۔ فاعلاتن مفاعلن فعِلن (مسدس سالم مخبون محذوف)

2۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن (مسدس سالم مخبون محذوف مسکن)

3 فاعلاتن مفاعلن فعِلا ن مسدس سالم مخبون مخبون مقصور)

4 فاعلاتن مفاعلن فعلان (مسدس سالم مخبون مخبون مقصور مسکن)

5 فعِلاتن مفاعلن فعِلن (مسدس مخبون مخبون مخبون محذوف)

6 فعِلاتن مفاعلن فعلن (مسدس مخبون مخبون مخبون محذوف مسکن)

7 فعِلاتن مفاعلن فعِلا ن (مسدس مخبون مخبون مخبون مقصور)

8۔ فعِلاتن مفاعلن فعلان (مسدس مخبون مخبون مخبون مقصور مسکن)

یہاں غالب کی جو پہلی غزل ہے اس کے پہلے چار اشعار لکھ کر عروضی اجازتوں کی روشنی میں ان اشعار کے مختلف آہنگوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے ہر شعر کے سامنے مندرجہ بالا آٹھ اوزان میں سے ایک لکھا جائے گا تا کہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

غزل۔ درد منت کش دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا۔ (وزن نمر 1)

جمع کرتے ہوں کیوں رقیبوں کو اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا۔ (وزن نمبر 1،2)

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں تو ہی جب خنجر آزمانہ ہوا۔ (وزن نمبر 1،4)

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا۔ (وزن نمبر 3،1)۔

اس غزل میں غالب نے مندرجہ بالا آٹھ اوزان میں سے چار اوزان کا استعمال کیا ہے رکن عروض میں معمولی ترمیم سے آہنگ بدل گیا ہے اور کلام میں رنگارنگی پیدا کی گئی ہے۔

غزل نمبر :2 نہ گل نغمہ ہوں نہ پردہ ءساز--- میں ہوں اپنی شکست کی آواز۔(وزن نمبر 4،7)۔

تو اور آرائشِ خمِ کاکل------ میں اور اندیشہ ہائے دور دراز۔(وزن نمبر 2،3)

لاف تمکیں ، فریب سادہ دلی---- ہم ہیں اورراز ہائے سینہ گداز۔(وزن نمبر 1،3)

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد------ ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز۔ (وزن 4،4)۔

اے ترا غمزہ، یک قلم انگیز---- ناز کھینچوں بجائے حسرت ِ ناز۔۔ (3،4)

اس غزل کا بنیادی وزن مسدس سالم مخبون مخبون مقصور ہے لیکن مندرجہ بالا اشعار کے سامنے ان کے اوزان لکھے ہیں کہ غزل کے تمام اشعار خفیف کے ایک وزن میں نہیں بلکہ عروضی اجازت سے فائدہ اٹھا کر رنگارنگی پیدا کی گئی ہے۔ اس ایک غزل میں غالب نے خفیف کے پانچ اوزان استعمال میں لائے ہیں۔

غزل نمبر :3 وہ فراق اور وہ وصال کہاں----وہ شب وروز وماہ وسال کہاں۔(وزن 5)

فرصت ِ کاروبار ِشوق کسے----- ذوق ِ نظارہ ءجمال کہاں۔ (وزن نمبر 1)

تھی وہ اک شخص کی تصوّر سے---اب وہ رعنائی ء خیال کہاں۔ (وزن نمبر 1،2)۔

ہم سے چھوٹا قمارخانہ ءعشق-----واں جو جاویں، گرہ میں مال کہاں۔(وزن نمبر 2،3)۔

اس غزل کا بنیادی وزن خفیف مسدس سالم مخبون مخبون محذوف ہے لیکن تمام اشعار ایک وزن میں نہیں بلکہ مروّجہ اوزان کا سہارا لے کر کلام میں رنگارنگی پیدا کی گئ ہے، پہلے شعر میں پہلا رکن سالم نہیں بلکہ مخبون مستعمل ہے اور

باقی اشعار میں یہ رکن صدر سالم ہے پہلے شعر کا وزن اس طرح ہے (فعِلاتن مفاعلن فعِلن) جبکہ باقی اشعار میں فاعلاتن آیا ہے،

غزل نمبر :4 کوئی امید بر نہیں آتی-------کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ (وزن نمبر 2)۔

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی---- نیند کیوں رات بھر نہیں آتی۔ (وزن نمر1، 2)۔

جانتا ہوں ثواب طاعتِ زہد---- پر طبیعت ادھر نہیں آتی۔(وزن نمبر 2، 3)۔

غزل کا بنیادی وزن تو مسدس سالم مخبون مخبون محذوف مسکن ہے لیکن غزل کے تمام اشعار اس ایک وزن میں نہیں بلکہ غزل میں مختلف اوزان کا خلط ہوا ہے ،ہر شعر کے سامنے اپنا وزن لکھا ہوا ہے۔

غزل نمبر :5 دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے---------آخر اس درد کی دوا کیا ہے۔

اس غزل کا بنیادی وزن مسدس سالم/ مخبون مخبون مخبون محذوف مسکن،فاعلاتن/فعِلاتن مفاعلن فعلن۔

غزل کے تمام اشعار اس ایک وزن میں نہیں بلکہ پہلے ہی شعر میں پہلے مصرعے کا وزن رکن اول فعِلاتن اور مصرع ثانی میں یہ رکن فاعلاتن باندھا گیا ہے اس طرح دیگر اشعار میں بھی یہی خلط ہوا ہے،مختلف اشعار کے اوزان اس طرح ہیں۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ------آخر اس درد کی دوا کیا ہے۔ (وزن نمبر 2،6)۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار----یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ (وزن نمبر2،4)۔

شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے----- نگہِ چشم سرمہ سا کیا ہے۔(وزن نمبر4،4)

ہم کو ان سے وفا کی ہے امیّد----جو نہیں جانتا وفا کیا ہے۔ (وزن 2،4)۔

غزل میں مختلف تین اوزان کا خلط ہوا ہے کہیں رکن صدر میں تو کہیں رکن عروض اور ضرب میں اور رکن دوم جو حشو ہے ہمیشہ ایک ہی صورت مستعمل ہے جو مخبون ہے۔

پہلے شعر کی تقطیع لکھی جاتی ہے۔

فعِلا تن　　　مفاعلن　　　فعلن۔

دلِ ناداں　　　تجھے ہوا　　　کیا ہے۔

فاعلاتن　　　مفاعلن　　　فعلن۔

آخراس در　　　د کی دوا　　　کیا ہے۔

غزل نمبر :6 پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے-----سینہ جویائے زخم ِکاری ہے۔

اس غزل کا بنیادی وزن مسدس سالم مخبون مخبون مخبون محذوف مسکن ہے، فاعلاتن مفاعلن فعلن (عین ساکن)، لیکن غزل بعض اشعار میں اوزان کا خلط ہوا ہے جس سے کلام میں شائستگی پیدا ہوئی ہے۔

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے------ سینہ جو یائے زخمِ کاری ہے- (وزن نمبر 2)۔

قبلہء مقصدِ نگاہ نیاز---------- پھر وہی پردہء عماری ہے۔(وزن نمبر2، 3)۔

دل ہوائے حرامِ ناز سے پھر -----محشرستان ِبے قراری ہے۔(وزن 1، 2)۔

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر----زلف کی پھر سرشتہ داری ہے۔ (وزن نمبر 4، 2)۔

اس غزل میں مروّجہ آٹھ اوزان میں سے چار اوزان کا خلط ہوا ہے جن سے کلام میں خوبصورتی پیدا کی گئی ہے۔

غزل نمبر :7 میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں----چل نکلتے جو مے پیے ہوتے۔

اس غزل کا آہنگ مسدس سالم مخبون مخبون محذوف/محذوف مسکن۔ فاعلاتن مفاعلن فعِلن/فعلن۔

مصرع اولیٰ کا رکن عِروض فعِلن (عین مکسور) جبکہ مصرع ثانی کا رکن آخر فعلن (عین ساکن) جس سے ایک مصرعے کا وزن مخبون محذوف اور دوسرے مصرعے کا وزن مخبون محذوف مسکن بن گیا ہے، اس طرح غزل میں کل

چار اشعار ہیں لیکن باقی اشعار میں دونوں مصرعوں کا وزن مخبون محذوف مسکن ہیں۔

تقطیع : میں انہیں چھے ڑوں اور کچھ نہ کہیں۔

فاعلاتن مفاعلن فعِلن ۔(عین مکسور)

چل نکلتے جو مے پیے ہوتے۔

فاعلاتن مفاعلن فعلن ۔(عین ساکن)۔

غزل نمبر 8: پھر اس انداز سے بہار آئی------ کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی،

غزل کا بنیادی وزن مسدس مخبون مخبون محذوف مسکن ہے فاعلاتن مفاعلن فعلن ،لیکن غزل کے بعض اشعار میں دیگر اوزان کا خلط بھی ہوا ہے ،جہاں خلط ہوا ہے ان اشعار کے سامنے وزن لکھا گیا ہے تاکہ تقطیع کرنے میں آسانی ہو۔

پھر اس انداز سے بہار آئی------کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی۔ (وزن نمبر 2، 6)۔

دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک----- اس کو کہتے ہیں عالم آرائی۔(وزن نمبر2، 3)۔

سبزے جو جب کہیں جگہ نہ ملی-----بن گیا روئے آب پر کائی۔ (وزن1،2)۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر---- بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی۔ (وزن نمبر4،2)۔

اس غزل میں پانچ اوزان کا خلط ہوا ہے ،صرف ایک شعر کی تقطیع لکھی جاتی ہے۔

تقطیع : ہے ہوا میں شراب کی تاثیر۔

فاعلاتن مفاعلن فعلان۔

بادہ نوشی ہے بادپے مائی۔

فاعلاتن مفاعلن فعلن۔

غزل نمبر :9ابن مریم ہوا کرے کوئی-------میرے دکھ کی دوا کرے کوئی۔

غالب کی مقبول ترین غزلیات میں سے ایک غزل یہ بھی ہے جو ضرب المثل کی مانند شہرت یافتہ ہے، اس غزل کا بنیادی وزن مسدس سالم مخبون مخبون محذوف مسکن، فاعلاتن مفاعلن فعلن، لیکن غزل کے تمام اشعار اس ایک وزن میں نہیں مطلع میں دونوں مصرعوں کا وزن ایک ہے لیکن بعد کے اشعار میں دیگر اوزان کا خلط ہوا ہے ،جن شعروں میں اوزان کا خلط ہوا ہے ان اشعار کے سامنے اوزان لکھے جاتے ہیں تا کہ تقطیع کرنے میں آسانی ہو۔

ابن مِریم ہوا کرے کوئی-----میرے دکھ کی دوا کرے کوئی۔ (وزن نمبر 2)۔

شرع وآئین پر مدار سہی----- ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی۔ (وزن نمبر 1،2)۔

چال جیسے کڑی کمان کا تیر-----دل میں ایسے کے جا کرے کوئی۔(وزن نمبر 2، 3)۔

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند---کس کی حاجت روا کرے کوئی۔ (وزن 2،4)۔

رکن عروض میں ترمیم سے چار اوزان استعمال میں لائے گئے ہیں،ان اشعار کی تقطیع اس طرح ہے۔

فاعلاتن	مفاعلن	فعلن۔
ابن مِریم	ہوا کرے	کوئی۔
میرے دکھ کی	دوا کرے	کوئی۔

شعر نمبر 2۔ فاعلاتن مفاعلن فعِلن۔(عین مکسور)۔

شرع وآئی	ن پر مدا	رسہی۔
فاعلاتن	مفاعلن	فعلن، (عین ساکن)

ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی۔

شعر نمبر 3۔ فاعلاتن مفاعلن فعِلان۔ (عین مکسور)۔

چال جیسے کڑے کما ن کا تیر۔

فاعلاتن مفاعلن فعلن۔

دل میں ایسے کہ جا کرے کوئی۔

شعرنمبر 4۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان۔ (عین ساکن)۔

کون ہے جو نہیں ہے حا جت مند۔

کس کی حاجت روا کرے کوئی۔

غزل نمبر :10 درد ہو دل میں تو دوا کیجیے-------- دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجے۔

ہم کو فریاد کرنی آتی ہے------آپ سنتے نہیں تو کیا کیجے۔

دشمنی ہو چکی بہ قدر ِوفا------- اب حق دوستی ادا کیجے۔

موت آتی نہیں کہیں غالب----- کب تک افسوس زیست کیا کیجے۔

غالب کا دیوان کئی مرتبہ اور کئی جگہوں سے منصہ شہود پر آیا ہے، بعض دواوین میں یہ غزل موجود نہیں نسخہ نظامی کو بنیاد ٹھہرا کر اعجاز عبید اور جوہریہ ریاض مسعودیہ نے ایک دیوان مدون کیا ہے جس کے صفحہ نمبر 185 پر یہ غزل اس طرح درج ہے جو یہاں نقل کی ہے۔

اس غزل کا وزن مسدس سالم مخبون مخبون محذوف مسکن، (فاعلاتن مفاعلن فعلن) ہے اور تمام اشعار اس ایک وزن میں ہیں کہیں ارکان اور وزن میں فرق نہیں، پہلے شعر کی تقطیع پیش کی جاتی ہے۔

فاعلاتن مفاعلن فعلن۔

درد ہو دل میں تو دوا کیجے۔

دل ہی جب در دہو تو کیا کیجے۔

باقی اشعار کی تقطیع بھی اس طرح ہے۔

حوالہ جات :

1)بحر الفصاحت،نجمی رام پوری،نجم الغنی خان،حکیم،تدوین کمال احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی، مارچ 2006،ص 341۔

2) عروض سب کے لیے،صدیقی،کمال احمد،سیونتھ سکائی پبلی کیشنز،لاہور،فروری 2012،ص271۔

3) ارمُغان عِروض، کندن،لال کندن، کتاب سرائے پبلشر،اردو بازار،لاہور، 2005،ص203۔

4) نسخہ ہائے وفا،فیض،احمد فیض،مکتبہ کارواں،لاہور، س ن،ص249۔

5)رنگ-خوشبو-روشنی (کلیات غزل)، قتیل شفائی،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2017،ص379۔

6)ماہِ نو خصوصی اشاعت بمع دیوانِ غالب، غالب،اسد اللہ خان، مطبوعات ِ پاکستان،حبیب اللہ روڈ لاہور، مارچ 1998،ص 186۔

***

براہوئی محاورے
ایک جائزہ

*زاہد حسین دشتی　　**دردانہ

Brahui idioms -An Analysis

Zahid Hussain Dashti/Durdana

The current research paper carried out on representation of Study of Brahui idioms. The Brahui Brahui idioms have their own peculiar importance in the Brahui language and Literature. The current study carried out on representation of Study of Brahui Idioms.

Brahui idioms are quoted by adolescent including male and female. Idioms reflect the mentality of common people. They are a good source of information on the moral concepts and social values of their best sources for the study of their culture life and values.Idioms signs of situations and

* شعبہ بلوچی یونیورسٹی آف بلوچستان،کوئٹہ
** اسسٹنٹ پروفیسر،تاریخ،گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج سیٹلائیٹ ٹاون،کوئٹہ

emotional probably meant their unique linguistic properties as cultural tools of man, but their description could also be understood from the Pont of view of social use.

Keywords: Brahui idioms,linguistic properties,cultural tools

براہوئی ادب اور زندگی میں محاورے (بجازی) کا کردار، خیال اور تصور انتہائی اہم ہے۔ جن کو لوک ادب کے ذریعے ہزاروں سال سے سینہ بہ سینہ سفر کر کے محققین کے ذریعے ہم تک پہنچے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان محاوروں میں موضوعات، پیغام اور مقصد اُن کے اندر موجود ہے۔ ان کی اپنی خوبصورتی ہے۔ جو ہمیں سوچ اور فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ محاوروں کے متعلق نور پرکاڑی اپنی کتاب "براہوئی ادب" میں تحریر کرتے ہیں۔

"لفظ آتا ہمو مجموعہ ہر اکہ تینا اصلی وحقیقی آ معنی ناجہا بجازیءُ معنی سے کن استعمال مرے ہمو دے بجازی پارہ۔ بجازی اسہ خاصو معنی سے کن استعمال مننگ کیپک۔ بجازیء ہمر کہ اہل زبان استعمال کیک دا ہمو ہن استعمال کننگہ۔ اگہ اونا لفظ آتا نیام ٹی فاصلہ ہتنگا، مونی پدی کننگا یا تینا عقل وقیاس نارداٹ اونا دروشمے پین لفظ سے تون بدل کننگا تو بجازی نا مطلب فوت مریک۔ ایہن تو بجازی نا صورت مصدری مریک ولے فقرہ ٹی زمانہ نارداٹ استعمال مریرہ۔ دافتا صحیح استعمال تحریر وتقریر ٹی اسہ بھلو زیب ونمہ ئس ودی کیک۔ متکنا خلقی نثری ادب ٹی بجازیک بھاز استعمال مریرہ۔ "(پرکاڑی، 2016ء ص، 212)

الفاظ کا وہ مجموعہ جو اپنی اصلی اور حقیقی معنی کے بجائے محاورات کے لئے استعمال ہو۔ اُس کو محاورہ کہتے ہیں۔ محاورہ ایک خاص معنی کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ محاورہ جسے اہل زبان استعمال کرتا ہے یہ اُسی طرح استعمال ہونا چاہیئے۔ اگر اُن لے الفاظ کے درمیان میں فاصلہ لایا گیا، آگے پیچھے کیا گیا یا اپنے عقل سے ان کے الفاظ تبدیل کر

دیئے گئے تو محاورہ کا مطلب فوت ہو جاتا ہے۔ ویسے تو مجازی کی صورت مصدری ہوتی ہے لیکن فقرے میں زمانہ کے لحاظ سے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا صحیح استعمال تحریر اور تقریر میں ایک بڑی خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ قدیم لوک ادب میں محاورے بہت استعمال ہوتے ہیں۔

''محاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا وہ مجموعہ ہے جو اہل زبان کی اور روزمرہ بول چال یا ان کے مرتبہ یا ان کے مجوزہ قواعد کے مطابق ہوتا ہے۔ الفاظ کا یہ مجموعہ اپنے حقیقی، لغوی اور بنیادی معنی کے بجائے اصطلاحی معنی صفتی اور خاص معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ محاورہ عربی کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں محور شامل ہے۔ جسکے گرد دائرے بنائے جاتے ہیں۔ یہاں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ محاورہ زبان کا مرکزی نقطہ ہوتا ہے۔ وہ دائرہ جو مختصر ہونے کے باوجود اپنے گرد پھیلی ہوئی بہت ساری حقیقتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ یہ عمومی زبان اور عام لب ولہجہ سے قریب ہوتا ہے اور ایک حد تک اس میں تخیل، تجزیہ کا آمیزہ بھی پایا جاتا ہے۔''

نیلوفر، (15:2015)

محاورہ کے بارے میں ایک رائے اسطرح ہے۔

"محاورہ سے مراد لفظوں کا ایسا مرکب ہے جو اصل معنی کے بجائے بولا جائے۔ اس تفصیل سے واضع ہو گیا ہے کہ محاورہ معاشرتی رویوں، سماجی قدروں اور ماحولیاتی لب ولہجہ کو اپنے ضمن میں لیتا ہے۔ محاورہ کے ساتھ بتل (ضرب المثل) بھی زبان کی لازمی حصہ ہے، لیکن بتل اور محاورہ میں فرق یہ ہے کہ کسی واقعہ یا قصے وغیرہ کا نتیجہ جو لگے بندے الفاظ میں بطور مثال بیان کیا جائے ضرب المثل کہلاتا ہے۔ ہر وہ فقرہ یا مصرع ضرب المثل بن جاتا ہے جو بطور نظیر زبان زد عام اور مشہور ہو جاے۔ جیسے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ جبکہ محاروہ یہ ہے کہ کسی مصدر کو اسکے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا جائے۔ ضرب المثل ایک مکمل جملہ ہوتا ہے جسے تبدیل کیے بغیر لکھا اور کہا

جاتا ہے جبکہ محاورہ مصدر کی شکل میں ہوتا ہے جسے مختلف افعال مین تبدیل کر سکتے ہیں۔") نیلوفر،(9:2015)

محاورے ادب اور زبان کی جان ہوتے ہیں۔ اگر ادب جاندار ہو تو وہ زبان ترقی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اُس کے آگے بڑھنے سے اُس زبان میں بات کرنے والا قوم بھی پیچھے نہیں رہ جاتا۔ اِن کے بغیر زبان بے مزہ ہو جاتا بلکہ محدود بھی ہو جاتا ہے۔ مختصر وقت میں مختصر جملے میں بڑی اور وسیع مطلب اور مقصد بیان کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ لوگ اس زبان میں بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن براہوئی زبان کی یہ خزانہ بہت بڑی اور رپھیلا ہوا ہے۔ اُس کا دامن ہزاروں سالوں سے خوبصورتی لئے آرہا ہے۔ اسی لئے اس زبان میں بات کرنے سے آسانی اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ اور کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ "براہوئی ادب نا لعل جواہرک" میں حاجی محمد عثمان بنگلزئی براہوئی تحریر کرتے ہیں۔

"بجازی ہموہیت یالفظاتے پارہ کہ ظاہرٹی اوفتا معنی پین ء۔ ایلو پارہ غان اوفتا اصلی معنی یا مسخت پین ء۔
انتئے کہ دالفظاک بجازی آڈول اٹ لکھنگرہ تو اصلی معناک تا ڈھکوک ءُ ظاہر افس۔ ہندا خاطران دافتے
بجازی لوز پارہ۔"(بنگلزئی، 2006ء، ص، 103)

محاورہ اُس بات یا الفاظ کو کہتے ہیں جو ظاہراً اُن کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ دوسری جانب اُن کا اصل مطلب یا مقصد دوسرا ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ محاورے کی طرح لکھے جاتے ہیں تو اصل معنی اُن کا چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اسی لئے اُن کو محاورہ کہتے ہیں

ذیل میں مختلف محققین کی کتابوں میں شامل محاورے شامل کئے جارہے ہیں۔

براہوئی	لفظی ترجمہ
☆ "خن تے خیسن کننگ	آنکھیں لال کرنا
☆ خن خلنگ	آنکھ مارنا
☆ آسرا اتننگ	آسرا دینا

☆	کورنالٹ	اندھے کی لاٹھی
☆	خن تے آتو لفنگ	آنکھوں پر بٹھانا
☆	ہیت جوڑ کننگ	بات بنانا
☆	خن تے خرن خیسن کننگ	آنکھیں نیلی لال کرنا
☆	ہیت ٹی خلنگ	باتوں میں لگانا
☆	ہیتءِ مرغن کننگ	بات گرہ میں باندھنا
☆	خن ترمننگ	آنکھ بند ہونا
☆	دِیر مننگ	پانی ہونا
☆	نتءِ نت آتخنگ	پاؤں پر پاؤں رکھنا
☆	خن بڑزا کننگ	آنکھ اوپر اٹھانا
☆	آسمانءِ کاٹم آہر فنگ وبش کننگ	آسمان سر پر اٹھانا
☆	آسمان دڑنگ	آسمان گرنا
☆	خاخر ٹی ہشنگ	آگ میں جلنا
☆	دیر وخاخر نابیر	پانی آگ کا بیر
☆	خاخر دسنگ	آگ برسنا
☆	اُست بٹنگ	ہمت ہارنا
☆	جان ٹی جان بننگ	جان میں جان آنا
☆	خاخر لگینگ	آگ لگ جانا

☆	چنکس دِیرٹی بُڈ بننگ	چلو بھر پانی میں ڈوب جانا
☆	خاخرٹی بٹنگ	آگ میں پھینکنا
☆	نُت ٹی بے	آٹے میں نمک
☆	اینو پگہ کننگ	آج کل کرنا
☆	تینا نت ءِ تلینٹ ٹپ خلنگ	اپنے پاؤں کو آپ زخمی کرنا
☆	آستونک آتے لانچنگ	آستینوں کو چڑھانا
☆	مِش تا گواچی کننگ	خاک میں ملانا
☆	اُست نا لہر ءِ کشنگ	دل کا جوش نکالنا
☆	اِرا پیسہ نا بندغ	دو پیسہ کا آدمی
☆	کسر آبننگ	راہ پر آنا
☆	زمین آسمان اسٹ کننگ	زمین آسمان ایک کرنا
☆	کاٹم آسوار کننگ	سر پر سوار ہونا
☆	کاٹم ہرفنگ	سر اٹھانا
☆	شامت بننگ	شامت آنا
☆	ہیچ بے مہار	شتر بے مہار
☆	عید نا نوک مننگ	عید کا چاند ہونا
☆	نک قبرٹی مننگ	پاؤں قبر میں ہونا
☆	جغر باٹی بننگ	جگر منہ میں آنا

☆	کاغذ مون کننگ	کاغذ سیاہ کرنا
☆	لخ خلنگ	گردن مارنا
☆	بامس تڑفنگ	ناک کٹوانا
☆	دُوسلنگ	ہاتھ دھونا
☆	دُوسک کننگ	ہاتھ بٹانا" (براہوئی، 2013ء،ص(319-324(

شاہین بارانزئی اپنے کتاب "نرومب ناشکار" میں محاورے اور اُن کے لفظی معنی شامل کر چکے ہیں جن میں چند خاص یہاں شامل کئے جاتے ہیں۔

	محاورہ	لفظی معنی
☆	"اُست خلنگ	وختس ئس کہ کاریم سے ناباروٹ گڑتی کننگک کہ مریک؟ یامفک؟ فائدہ مریک یا نقصان؟ پین پین
☆	اُست ہشنگ	گڑاسے ناخاص وڑٹ بندغ سے نا/سیال سے نا/سنگت سے نا باروٹ اونا نقصان سے آ/اونا تکلیف سے آ اُست نا ارمانی مننگ
☆	اُست پننگ/ پرغنگ	گڑاسے آن/ بندغ سے آن/کُنو کو گڑاسے آن بےزار مننگ
☆	اُست ٹی کننگ	غصہ کننگ، ناراض مننگ ۔
☆	اُست ٹی جاگہ تننگ	حدآن زیات مہر کننگ
☆	اُست ترخ مننگ	بھاز بےزار مننگ
☆	اُست آن دیرءِ بئے کُننگ	رازداری، رازے چائنگ
☆	اُست آخل تخننگ	صبر کننگ، اُست ایکیم کننگ

☆ اُست آدیر شاغنگ	اُست ئے خوش کننگ
☆ اُست آدُو خلنگ	قبول کننگ، ذمہ واری/کمام داری ہفنگ تسلائی تننگ
☆ اُست خلنگ	وسوس کننگ، ٹک خلنگ، پریشان مننگ
☆ بائے داپارا ے پار کننگ	بہانہ کننگ، شکی مننگ
☆ بائے ڈھور کننگ	خجالت مننگ، پشووان مننگ
☆ باخلنگ	رٹنگ، یکا رٹنگ، بھا ز ہیت کننگ، تینا مون رٹنگ
☆ باشاغنگ	شروع کننگ، گٹ ہلنگ
☆ بائے باءِ ٹی تننگ	ارا بندغ نا اسٹ ایلوتون رٹنگ
☆ بائے پٹنگ	رازے فاش کننگ، رازے فاش کرفنگ
☆ باخٹ مننگ	حیران/ پریشان مننگ
☆ بامس اٹ لیک کشنگ	توبہ کننگ
☆ باءِ بٹنگ	جوفہ کننگ
☆ بوڈ کُننگ	احساس کننگ
☆ بش تننگ	دروغ تھڑنگ، تینا مون ہیت کننگ
☆ بے مون مننگ	بے لحاظ مننگ
☆ باٹغ اٹ روتینگ	تینے بڑ زتکلینگ، بھلو بھلو ہیت کننگ
☆ باءِ ٹی ماش شاغنگ	چپ کننگ، ہیت کپرنگ
☆ بغل ناچٹ مننگ	ایز ارسیفنگ

☆ بک آتیا خلنگ — ارمان کننگ

☆ بومبار مننگ — غیب مننگ

☆ بیدیرناسور مننگ — معاملہ ناخراب مننگ

☆ پاچہ خاتے خسنگ — غصہ، ضد کننگ

☆ پدخواجہ مننگ — کھوکانا جائیدادنا وارث مننگ

☆ پھدام ہلنگ — غصہ مننگ

☆ پوتی پٹنگ — گلہ تننگ، مُست ناہیت آتے یات کننگ

☆ پھڈ ناپخیر مننگ — گُشنہ، کننگ ناشوقین مننگ

☆ تینا تاپ ئے شاغنگ — تینا کاریم ئے کننگ

☆ تینانت آسلنگ — لائخ مننگ

☆ تلف آدیر تننگ — کس ناحدآن زیات خیال ئے کننگ، بھاز خدمت کننگ

☆ تینے خرن کننگ — اصل ہیت ئے ہلپرنگ

☆ جان ئے جان آتننگ — بھاز محنت کننگ

☆ جک سلنگ — سخت نگھوانی کننگ، بھاز کاریم کننگ، ہر کاریم ئے کننگ

☆ خن تو ننگ — اسہ گڑاس ملپ ولے بندغ ہندا آسرائٹی تولے کہ نوا کنے ملے

☆ خنی خفی مننگ — تعلیم یافتہ، چاؤک، سرپند دار، پامدار، لائق، چالاک مننگ

☆ دانکو کننگن دوئے چٹنگ — بخیل

☆ دُوتیان کننگ — کس نانمک ئے کننگ

☆	ڈغارٹی کھڈمننگ	شکی مننگ
☆	ڈغارے کٹفنگ	کس ئے تنگ کننگ
☆	ڈغارے کاٹم آہفنگ	شور کننگ، بے ہودہ ہیت کننگ
☆	ریل تون رُمب کننگ	وامدارمننگ، غریب، مفلس
☆	سیخ مننگ	اسٹ آسلنگ، نہ من مننگ، بالکل منپرنگ
☆	شیف شاغنگ	غصہ ئے ختم کننگ
☆	کاٹم خلنگ	تینا مون ہننگ
☆	کاٹم ئے شولنگ	ریفنگ
☆	گام ئے گام آتخنگ	نقشِ قدم آہننگ
☆	لٹک خلنگ	شیطانی / شیطانیت کننگ
☆	مون مُٹ کننگ/ مون تفنگ	کسے تون ہیت کپرنگ، مونجا تولنگ
☆	نت تیان تمنگ	دمدرینگ
☆	نت نامون ٹی ہُننگ	خوڑت ہُننگ (تنگ نظر)
☆	نت تے آتف کننگ	نرنگ، زونرنگ
☆	ہفت حیران مننگ	بے سدھ، حیران و پریشان
☆	ہن کہ ہنو کا تامننگ	ہندن ہننگ کہ ولدا ایف" (بارانزئی، 2019ء ص، 104-116)

نتائج۔

ضرب الامثال کی طرح براہوئی محاورے بھی زبان چاشنی معنویت اور طویل معنوں کومختصر کر کے بیان کا ذریعہ ہیں ۔ یہ محاورے اکثر مختصر ہیں مگر ان کے معانی بہت ہی گہرے اور زبان کے لئے حسن وزیور کا ذریعہ ہیں ۔ ہماری روزمرہ گفتگو کے

جزو لانیفک ہیں ۔ ان کے خالق زیادہ تر عوام الناس ہوتے ہیں ۔ اس لئے ہم ان کا رشتہ لوک ادب سے ملاتے ہیں ۔علماء اور حکما بھی اپنے تدبر سے اس میں اضافہ کرتے ہیں ۔ یہ براہوئی بولنے لوگوں کی وسیع تر تجربات، واقعات، مشاہدات، رجحانات اور تخلیقات کی ترجمانی ہوتی ہے ۔ ان میں ہمیں قوم کی زندگی کی مختلف جھلکیاں ملتی ہیں ۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے ہمیں کسی قوم کی تاریخ ،ثقافت ،مذاق ،اخلاق اور ذہنی ارتقاء کا اندازہ ہوتا ہے ۔

حوالہ جات

بارانزئی ،شاہین (2019ء) "زومب ناشکار"، براہوئی اکیڈمی (رجسٹرڈ) پاکستان کوئٹہ

بنگلزئی ،حاجی محمد عثمان (2006ء) "براہوئی ادب نالعل جواہرک"، براہوئی اکیڈمی (رجسٹرڈ) پاکستان کوئٹہ

براہوئی ،عبدالرحمن (2013ء) "براہوئی اور اردو کا تقابلی مطالعہ"، براہوئی اکیڈمی (رجسٹرڈ) پاکستان کوئٹہ

پرکاڑی ،نوراحمد (2016ء) "براہوئی ادب" براہوئی اکیڈمی (رجسٹرڈ) پاکستان کوئٹہ

نیلوفر، ڈاکٹر خوشنود (2015) اردو محاورے، بک کارنر جہلم پاکستان

***

PAYGHAM-E-ASHNA

ISLAMABAD - PAKISTAN

Vol. 21, S.No.84

(July to September) 2021

Cultural Consulate

Embassy of Islamic Republic of Iran, Islamabad

House No. 25, Street No 27, F-6/2, Islamabad, Pakistan

Ph:051 2827937-8 fax: 051 2821774

Email: iran.council@gmail.com, payghameashna@gmail.com

Web: http://islamabad.icro.ir

ISSN: 2079-4568

Paygham-e-Ashna

VOL. 21, S.NO. 84
(JULY TO SEPTEMBER) 2021

ISSN: 2079-4568